**A HISTORY OF RELIGIONS**
(Menzies and others).

# تاریخ مذہب

یہ رسالہ مختلف انگریزی کتابوں سے تالیف کیا گیا ہے
اور بڑی خوبصورتی سے مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال
پیش کرتا ہے اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ
مصر اور چین اور دیگر ممالک اور اقوام کے مذاہب کی مختصر
تاریخ پیش کرتا ہے

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انارکلی لاہور

۱۹۰۹ء

غلام قادر مسیحی پرنٹر لاہور کی معرفت
نول کشور پریس لاہور میں چھپی

# تاریخ مذہب

## فہرست مضامین

# تاریخ مذہب

## تمہید

اب سے کوئی ایک جگ پیشتر ہر مذہب کے ماننے والے اپنے ہی مذہب کو سچا سمجھتے تھے۔ اور باقی مذاہب کو لغو اور بد روحوں کی پرستش کا طریقہ۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ انہیں دیگر مذاہب کا علم نہیں تھا۔ اور اگر تھا تو بہت ہی تھوڑا اور برائے نام۔ مگر کچھ عرصہ ہوا کہ اہل یورپ نے اُن مذاہب کی تحقیقات پر جو ایشیا اور دیگر مشرقی ممالک میں رائج تھے کمر باندھی۔ اس تحقیقات نے اُن کے سامنے مذہبی علم کا ایک نیا میدان کھول دیا اور انہیں بتا دیا کہ دنیا میں بہت سے مذاہب رائج ہیں۔ جو ایک دوسرے سے بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں اور بہت سی میں مطابقت۔ یونان اور روم کے مذاہب کی حقیقت کچھ اَور ہی نکلی اور اُس کے بالکل برعکس ثابت ہوئی جیسی کہ لوگوں کے خیال میں تھی۔ اور دیگر مذاہب بھی محققوں سے کچھ نئی شکل میں دوچار ہوئے اور اُنہوں نے اپنی حقیقت کی کہانی ایک نئے انداز اور نئے پیرایہ میں بیان کی ✣

اگرچہ علم مذہب کی ابتدا کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے لیکن اس عرصہ میں بھی وہ بہت کچھ ترقی کر گیا ہے۔ پہلے اس کا نام ود مذاہب

کے مقابلہ کرنے کا علم" رکھا گیا تھا۔ اور مذاہب کے متعلق جو بہترین باتیں ہم پہنچ سکتی تھیں وہ جمع کر کے پہلو بہ پہلو رکھی جاتی تھیں۔ اور یہ معلوم کیا جاتا تھا کہ ان کی کون کون سی باتیں آپس میں ملتی ہیں۔ اور کون کون سی نہیں ملتیں۔ اور کن کن باتوں سے وہ تمیز کئے جا سکتے ہیں۔ مگر اب تو اس علم کا نام "تاریخ مذہب" رکھا گیا ہے +

اس علم نے ایک نئی صورت اور ہیئت اختیار کر لی ہے۔ اب اس کی غرض یہ نہیں رہی کہ مختلف مذاہب سے صرف اسباب جمع کر کے اُن سے اُن باتوں کو معلوم کیا جائے جن میں وہ ایک دوسرے سے مطابق یا مخالف ہیں۔ بلکہ اب اس کا مدعا یہ ہو گیا ہے کہ ان اسباب سے یہ پتہ لگایا جائے کہ مختلف مذاہب کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا واسطہ اور کیا رابطہ ہے؟ اور جو لوگ اس علم سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مذاہب کی ابتدا جدا جدا نہیں ہوئی۔ وہ آزاد و بے تعلق نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے تابع ہیں۔ ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک ہی کل کے جزو ہیں۔ فی الحقیقت اب یہ علم یہ ثابت کرنے کے درپے ہے کہ دنیا کے مختلف مذاہب دنیا کے سب سے بڑے یا عالمگیر مذاہب کے مظاہر ہیں +

فی زمانہ علم اور تحقیقات کے ہر شعبہ میں ایک تحریک کا غلبہ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہر علم یہ ظاہر و ثابت کرنے کے درپے ہے کہ مظاہر جن سے اس کا واسطہ پڑتا ہے اُن کی کثرت میں قانون اور اصول کی وحدت پنہاں ہے۔ یعنی وہ سب ایک ہی اصول یا قانون کے تابع ہیں۔ ان سب کی ابتدا ایک ہی ہے۔ وہ اُن کو ایک رشتہ میں باندھنے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش میں ہے کہ ایک میں سے بہتوں کا ظہور کیسے ہو گیا علم مذہب میں اس تحریک کا غلبہ ضرور محسوس ہونا چاہئے۔ اس میں اس یقین کو

ضرور روا رکھنا چاہئے کہ اس ظاہرا بے ترتیبی میں بھی ایک ترتیب اور ایک قانون ضرور پایا جاتا ہے اور ہمیں ضرور ماننا چاہئے کہ بنی انسان کے عقیدے اور مذاہب ہوئے کی مانند نہیں ہیں۔ وہ بہت سی گذشتہ چیزوں کا انبار نہیں ہیں جو متواتر اور بلا وجہ ظہور میں آتی رہی ہیں۔ اُن میں صرف یہی مشابہت نہیں ہے کہ اُن کا ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں ظہور ہوا ہے بلکہ اُن سے بجائے خود ایک عالم بن گیا ہے۔ اور وہ عقیدے اور مذاہب انسان کی زندگی کے جس کا کسی علت سے ہمیشہ تعلق رہا ہے اور جس میں کوئی ترقی کن مدعا ہمیشہ پورا ہوتا رہا ہے اور اب بھی پورا ہو رہا ہے۔ اجزا قرار دئے جا سکتے ہیں۔ علم مذہب کے سب سے پہلے مصنف بھی اس بات کے قائل تھے کہ دنیا کے مذاہب ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں اور مختلف صورتوں میں ایک ہی ذات اور ایک ہی مدعا کے مظاہر ہیں۔

یہ تو عام بات ہے کہ تاریخی تحقیقات اور مطالعہ کے ہر شعبہ میں ایک بات فرض کر لی جاتی ہے۔ پس ہم تاریخ مذہب کی تحقیقات کے لئے بھی ایک مفروض قرار دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس طرح انسانی زندگی کے دیگر شعبوں میں ابتدا سے برابر ترقی ہوتی رہی ہے اور جو اب بھی جاری ہے اسی طرح مذہب بھی برابر ترقی کرتا رہا ہے۔ اور یہ کہ مذہب کی ترقی انسانی ترقی کے معمولی قوانین کے مطابق جاری رہی ہے۔ زمانہ حال کے خیال کے مطابق کسی بات کو اچھی طرح سمجھنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ بات اپنی موجودہ شکل و ہیئت میں کس طرح آئی ہے۔ جتنی تاریخی باتیں ہیں جب تک کہ اُن کی ابتدا کا سراغ نہ لگایا اور انہیں شروع سے نہ اُٹھایا جائے تب تک وہ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی ہیں۔ یہ کلیہ مذہب پر بھی بعینہٖ صادق آتا ہے۔ اگر اس سے چشم پوشی کی جائے تو کوئی بات بھی خواہ وہ مذہب ہو

خواہ کوئی اور مضمون قابل اطمینان طریقہ میں انجام نہیں دی جا سکتی ہے۔ ابتدا سے لے کر آج تک مذہبی رسوم و رواج اور خیالات کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوا ہے۔ اور یہ کہ آج کل کا سب سے بہتر اور برتر مذہب اس مذہب کا ایک جزو ہے جو انسان ابتدا میں رکھتا تھا۔ فی الحقیقت وہ اس کا ایک جزو ہے۔ اور اگرچہ وہ بہت سی باتوں میں ابتدائی مذہب سے مختلف ہو گیا اور دور جا پڑا ہے لیکن جو بات ابتدائی عقیدہ میں لازمی اور ضروری تھی وہ اب بھی اسمیں موجود ہے۔ اور جو بات اپنے ابتدائی مقاصد کے بعد میں بھی باقی اور قایم رہنے والی تھی وہ اب بھی اس میں نظر آتی ہے۔ اگر ہم اس کلیہ پر عمل کریں تو ہماری تحقیقات اور مطالعہ کے راستہ میں سے بہت سی مشکلات دور ہو جائینگی +

جب نئے مدعا کے مطابق جو زمانہ حال کے تمام خیالات پر حاوی معلوم ہوتا ہے قوانین اور مذاہب کوئی مستقل اور مقررہ باتیں نہیں سمجھی جاتی ہیں بلکہ ایسی باتیں جو کسی سابقہ بات سے ظہور میں آئی ہیں اور کسی آنے والی بات کی طرح بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ تو وہ کسی رشک اور نفرت کے خیال سے بھی بری ہیں۔ اگر ہم مذاہب کو مذہبی ارتقا کے دور یا درجے سمجھ لیں تو کوئی وجہ ہمارے ہاتھ آسکے گی جس کی بنا پر ہم ایک مذہب کو برا کہیں اور دوسرے کی تعریف کریں۔ اور نہ ہم کسی مذہب کو بالکل محض جھوٹا قرار دینگے اور نہ کسی کو سچا۔ ہمیں کوئی مذہب بھی محض توہمات کا مجموعہ نہ معلوم ہوگا۔ اور نہ ہم کسی مذہب کو خدا کی ہدایت اور رہنمائی سے خالی سمجھینگے۔ چونکہ دیگر مذاہب کے علم بغیر ان کی شرکت اور مدد سے ہمارا مذہب بنا ہے ہم اپنے مذہب کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ پس ہم دیگر مذاہب کی قدر محض اس وجہ سے کرینگے کہ اس نے مذاہب کی ترتیب اور ساخت کے کام میں جو ایک عظیم الشان مہم ہے بڑا اور خصوصاً ہمارے مذہب کی تعمیر میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے +

چونکہ مذہب ابھی درجہ کمال کو نہیں پہنچا ہے۔ بلکہ اس میں برابر ترقی

ہو رہی ہے۔ اس کا ارتقا جاری ہے۔ نہ دنیا ابھی کامل طور پر اس بات کی تہ تک پہنچی ہے کہ مذہب ہے کیا چیز؟ اس لئے مذہب کی صحیح تعریف نہیں قایم کی جا سکتی۔ اور جو تعریف قایم کی جائے وہ مشروط ہوگی۔ مذہب کی حالت حیثیت اور ہیئت جو اس وقت ہے اسی کے لحاظ سے اس کی تعریف قایم کی جا سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی تعریف یہ ہے کہ **اعلیٰ طاقتوں کی پرستش**۔ اگرچہ یہ تعریف بادی النظر میں درست اور مضبوط نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن اگر ہم غور کریں کہ اس کا مطلب اور منشا کیا ہے تو وہ ہمیں درست اور مضبوط معلوم دیگی۔ کیونکہ اس میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں عقیدہ یا اعتقاد کا ایک جزو یا عنصر موجود ہے۔ کوئی شخص بھی اعلےٰ طاقتوں کی پرستش نہیں کریگا تا وقتیکہ وہ ان کی ہستی کا قایل نہ ہو۔ اور یہ بات مذہب کا عقلی پہلو ہے۔ اور سب سے ابتدائی عبادتوں میں بھی کوئی عقلی پہلو ضرور نکلتا ہے۔ اگر اعلےٰ طاقتوں پر ایمان نہ لایا جائے تو عبادت قایم نہیں رہتی اور مذہب نیست و نابود ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کی نگاہوں میں ایسے لغو مذہب کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ دوسرے یہ کہ جن طاقتوں کی پرستش کی جاتی ہے وہ "اعلےٰ" ہوتی ہیں۔ انسان ان چیزوں اور طاقتوں کی کوئی وقعت نہیں کرتا جو اس کی برابر یا اس سے کمتر درجہ کی ہوتی ہیں۔ بلکہ ایسی طاقتوں اور ہستیوں کی تعظیم و توقیر کرتا ہے۔ جو اس سے اعلےٰ درجہ کی اور برتر ہوتی ہیں۔ جب پرستش کی چیزیں عبادت کرنے والے کو حقیر اور کمزور معلوم دیتی ہیں تو عبادت کی ایک ضروری غرض بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ اور ایسا مذہب قایم نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ مذہب کی حد میں نہیں آسکتا۔ ایک تیسری بات مذہب کے متعلق یہ ہے کہ عبادت اعلےٰ طاقتوں ہی کی کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب نہ صرف اعلےٰ طاقتوں پر ایمان لانا ہی ہے۔ بلکہ ان کے

ساتھ تعلقات کا قایم رکھنا بھی۔ اس کی بنیاد نہ صرف خیال یا ایمان ہی پر ہے۔ بلکہ عمل پر بھی۔ اور عمل مذہب یا پرستش کے لئے ایک لازمی بات ہے۔ کیونکہ جب کسی طاقت کی عبادت ترک کر دی جاتی ہے تو مذہب بھی باقی نہیں رہتا۔ مذہب اور عبادت اُسی وقت تک قایم رہتی ہے جب تک کہ عقیدہ کے ساتھ معبود سے تعلقات قایم رکھنے کی عملی کوشش بھی قایم رہے۔

مذہب کی تعریفیں اور بعد میں اَور عالموں نے بھی لکھی ہیں۔ ان میں عقلی پہلو کو لیا گیا ہے۔ مسٹر میکسمولر نے مذہب کی تعریف یوں کی ہے "مذہب ایک دماغی قابلیت ہے جو حواس اور عقل کی مدد اور شرکت بغیر انسان کو اس لامحدود و لامتناہی ذات کو مختلف ناموں اور مختلف ہیئتوں میں سمجھنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ بغیر اس قابلیت کے کوئی مذہب ممکن نہیں ہو سکتا۔" اس تعریف پر بہت سے زبردست اعتراض ہو سکتے ہیں۔ اس تعریف کے معنی یہ ہیں کہ انسان صرف ایک ہی طریقہ میں اعلےٰ طاقتوں اور ہستیوں پر ایمان لا سکتا ہے۔ اور یہ ایمان وہ کسی ایسی شے پر ہے جو اُس سے برتر و اعلیٰ ہے اور جسے اپنی دماغی طاقت سے سمجھ نہیں سکتا۔ علوم اور حاصل کرنے کے بعد لا سکتا ہے۔ جو تعریف مسٹر میکسمولر نے بیان کی ہے اُس پر سب سے زبردست اعتراض یہ ہے کہ اس نے اس میں مذہب کے عملی پہلو اور پرستش کے عنصر کو چھوڑ دیا ہے۔ ایمان اور عمل یعنی پرستش مذہب کے ایسے دو پہلو ہیں جو لازم و ملزوم ہیں۔ اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک دونوں موجود نہ ہوں تب تک وہ اچھی طرح وجود اور ظہور میں نہیں آسکتا۔ جو اعتراضات اس تعریف پر عالموں نے کئے تھے اُن کے اثر سے متاثر ہو کر مسٹر میکسمولر نے اپنے بعد کی ایک تصنیف میں اُن اعتراضوں کو تسلیم کیا اور اس میں کی ترمیم کر کے اُسے ان الفاظ میں بیان

کیا کہ "مذہب ایک ادراک یا تصور ہے جو ایسے مظاہر کے باعث پیدا ہوتا ہے اور جو انسان کے اخلاقی کیرکٹر (سیرت) کو متاثر کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں"۔ اس شکل میں مسٹر میکسمولر کی تعریف اس پرستش کو تسلیم کرتی ہے جو عملی پہلو ہے اور جس میں انسان کی اخلاقی سیرت اپنے کو خوف شکرگزاری محبت اور پشیمانی کی حالت میں ظاہر کرتی ہے۔ اور جو مذہب کا ایک لازمی جزو ہے۔ اور جس کے بغیر لامتناہی ذات کا ادراک و تصور محض بے رنگ تصویر کی مانند رہ جاتا ہے۔

جو اعتراض اور نکتہ چینیاں مسٹر میکسمولر کی تعریف پر کی گئی ہیں وہی مسٹر ہربرٹ اسپنسر کی تعریف پر بھی وارد کی جاسکتی ہیں۔ اس نے مذہب کی تعریف یوں کی ہے کہ "مذہب کی بنیاد اس طاقت کے ناممکن التفحص ہونے پر ہے جسے یہ کائنات ہم پر افشا کرتی ہے"۔ مسٹر اسپنسر نے بھی مذہب کی ابتدا کا تعلق انسانی تجربہ کے منفی پہلو کے ساتھ بتایا ہے نہ کہ مثبت پہلو کے ساتھ۔ اُس نے عقلی پہلو کو لیا اور عملی پہلو اور پرستش کے جزو و عنصر کو چھوڑ دیا ہے۔ اور عالموں نے بھی مذہب کی تعریف بیان کی ہے۔ بعض اُسے شوق تجسس بتاتے ہیں جو انسان کے دماغ میں پایا جاتا ہے۔ بعض اُسے ایک خواہش یا تحریک کہتے ہیں جو انسان کو اشیاء کے اسباب کی تحقیقات کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے اور خصوصاً علت العلل کی جستجو کے لئے۔ اس موقع پر ہم مذہب کے غیر متغیر خاصہ اور ہیئت کا مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں۔ یہ خاصہ ہمیشہ دنیا کا راز منکشف کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور جو عقدے اور مسائل انسان کو پریشان کرتے ہیں اُن کو صاف کر کے اس کے دل کو وحدت سے دوچار کرتا ہے۔ اُسے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں سے وہ دنیا کے ہر حصص اور زندگی کی تمام باتوں کو موقع موقع سے اچھی طرح پورا ہوتا ہوا دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔

مگر اس سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مذہب کی حقیقت کیا ہے۔ شوق تجسس اور تحریک و خواہش کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ فلسفہ سے ہے علاوہ اُن باتوں اور اغراض کے جو علم سے تعلق رکھتی ہیں اور باتیں اور اغراض بھی ابتدا ہی سے انسان کی عبادت میں داخل ہو گئے۔ شوق تجسس نے اُسے کائنات کے سبب اول کی تلاش و جستجو کے لئے مجبور و آمادہ کر دیا۔ مذہب میں اس نے کوئی ایسی بات دیکھی جس نے اس پر کائنات کا راز افشا کر دینے اور خود اس کی حقیقت اُس پر ظاہر کر دینے کا وعدہ کیا۔ مگر وہ بات شوق تجسس سے بھی بالاتر اور زیادہ با اثر تھی جس نے سبب اول کو جب اُسے انسان نے معلوم کر لیا خدا ماننے۔ اس کی تعظیم و تکریم اور عبادت کرنے اور اُسے نذریں دینے اور قربانیاں چڑھانے پر مجبور کر دیا۔ عبادت کی غرض و غائت کیا ہے؟ حیرت فی الحقیقت حیرت اور عبادت کا ہمیشہ چولی اور دامن کا ساتھ رہا ہے۔ مگر اس میں وہ کون سی بات ہے جو حیرت سے بھی پرے یا برتر ہے؟ مذہب کی کوئی تعریف مکمل نہیں سمجھی جا سکتی جس میں عبادت کی غرض قایم نہ کی گئی ہو +

اب ہم مذہب کی وسیع تعریف بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مذہب اعلےٰ طاقتوں کی پرستش ہے جو ضرورت کے خیال سے کی جاتی ہے۔ مذہب کی تعریف جو شلائر ماخر نے کی ہے وہ بھی اسی تعریف کے قریب قریب ہے۔ وہ یہ ہے کہ "مذہب غیر محدود اطاعت و انحصار کا خیال ہے"۔ اس تعریف پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس کی رو سے مذہب ایک جذبہ اور ایک جوش ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اسکی حقیقت اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس میں علاوہ ان باتوں کے ایمان اور عمل کی بھی شرکت ہے۔ کیونکہ معبودوں پر ایمان لانا اور اُن کی عبادت کرنا یہی باتیں مذہب کے بنانے یا قایم کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں جب تک کہ

اُن میں جذبہ - جوش اور ضرورت کے خیال کی بھی شرکت نہ ہو - مذہب کا تعلق خواہ تہذیب و شائستگی کے بلند ترین درجہ سے ہو خواہ کمترین درجہ سے مگر وہ ان ہی تمام باتوں سے بنتا ہے ۔

اسی مذہب کو قیام ہونا چاہیے جسمیں معبود عابد کی ضرورتوں اور حاجتوں کو رفع کرنے کی قدرت رکھتا ہے ۔ انسان ان معبودوں کی نہ عبادت کرتے ہیں اور نہ اُنکو نذریں دیتے ہیں جو اُنکی حاجت روائی کی قدرت نہیں رکھتے یا جو اُنہیں نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے ۔ عبادت کے ہر عمل اور ہر فعل سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جس معبود سے التجا یا استدعا کی جائے اسمیں عابد کیلئے وہ شئے مہیا کرنے کی قدرت و طاقت ہو جسے خود عابد اپنے لئے بہم نہیں پہنچا سکتا - جب عابد میں اپنی مدد کرنے یا اپنی حاجات رفع کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی تو یہی ناقابلیت عابد کو اُسکے معبود کے پاس جسمیں وہ قدرت و قابلیت ہوتی ہے لے جاتی ہے ۔ اگر عابد خود اپنی مدد کر سکتا تو اسے مذہب کی ضرورت نہ ہوتی ۔ اگر اُس کی زندگی کامیاب اور خوش حال ہوتی ہے اور ایسی کہ اُسے کسی بات کی خواہش نہ ہوتی یا اس کی زندگی مصیبت بھری اور ناکامی سے لبریز ہوتی ہے اور ایسی کہ اُسے کوئی توقع یا اُمید باقی نہیں ۔ تبھی تو وہ اعلےٰ طاقتوں کی طرف رجوع نہیں لاتا ہے ۔ ایسی حالت میں وہ اُن کی مطلق پرواہ نہیں کرتا ہے ۔ لیکن اگر ان دونوں حالتوں میں سے ایک بھی نہیں ہوتی ۔ بلکہ برعکس اس کے اس کی زندگی نفع و نقصان کے دونوں پہلو رکھتی ہے اور اس کی زندگی کا تعلق ایسی برکتوں نعمتوں اور فوائد سے ہوتا ہے جن کا حاصل کرنا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے یا اس کی زندگی کا تعلق ایسے خطروں سے ہوتا ہے جن سے وہ اپنے کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے اور اُس کے دل میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسی اعلیٰ طاقتوں کا وجود ہے جو اگر چاہیں تو اُسے خوش نصیب اور کامیاب

بنا سکتی ہیں تو بس اُس کے ہاتھ ایک مذہب لگ جاتا ہے اور وہ اعلیٰ طاقتوں سے رسل و رسایل اور تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اور اُسے جاری رکھتا ہے۔ اور اس لئے مذہب اپنی ابتدائی شکل میں بھی محض خودغرضی کا اظہار نہیں ہے۔ اگرچہ ایسی نذریں چڑھائی جاتی ہیں جو اعلیٰ طاقتوں کو خوش کرنے والی سمجھی جاتی ہیں۔ اور اگرچہ ایسے فواید طلب کئے جاتے ہیں جن کی عابد کو سخت ضرورت ہوتی ہے مگر کبھی ایسے کاروبار اور معاملات اسی قسم کے کاروبار و معاملات سے جو انسانوں یا دو دوستوں یا والدین اور بچوں کے درمیان عمل پذیر ہوتے ہیں زیادہ بُرے نہیں ہوتے۔ ایک وحشی بھی جو بالکل تنہائی میں رہتا ہے۔ ہر شخص سے آمادہ جنگ رہتا ہے۔ اور اُسے سوائے خوراک یا جائے پناہ کے اور کسی بات کی ضرورت نہیں ہوتی اپنے معبود سے جس سے اُسے کوئی اُنس نہیں۔ اور نہ کوئی مروت ہوتی ہے فواید و عنایت کی چاہے یہ فوائد و عنایات اُسے عطا کر دئے جائیں استدعا نہیں کرتا۔ جب اُنس و مروّت کا یہ خیال ایک دفعہ ہو جاتا ہے تو مذہب کا ظہور بھی ہو جاتا ہے اور انسان کا ایک اعلیٰ طاقت یا ہستی کے ساتھ جسے وہ فی الحقیقت اپنی ہی شکل و صورت کی مانند مگر اپنے سے زیادہ طاقت و قدرت والا سمجھتا ہے ایک دوستانہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے ✣

مذہب کا مآل کار یہ ہے کہ "اعلیٰ طاقتوں کی پرستش ضرورت کے خیال سے کی جائے"۔ ہمیں خود یہ تعریف بتاتی ہے کہ مذہب کی ترقی کس طرح ہوتی گئی۔ جس طرح انسان کی ضروریات میں ایک انقلاب اور تغیر واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح مذہب میں بھی۔ جس طرح انسانی ضروریات میں بتدریج ارتقا ہوتا گیا۔ ان میں لطافت و شائستگی پیدا ہوتی گئی۔ اور تہذیب کی ترقی ہوتی گئی۔ اسی طرح مذہب بھی ترقی کرتا گیا خود معبودوں

اور انکی گزشتہ تاریخ انکی موجودہ سیرت وخصایل ۔ قربانیاں اور نذریں جو انکو چڑھائی گئیں ۔ اور جن نعمتوں اور فواید کے لئے التجا کی گئی ان تمام باتوں میں اسی طرح ترقی ہوتی گئی جس طرح کہ انسان ترقی کرکے جہالت سے تہذیب وشایستگی تک پہنچ گیا ۔ مذہب کی ابتدا پر نظر ڈالو تو وہ ایک شخصی معاملہ معلوم ہوتا ہے جو ایک وحشی اور اس کے معبود کے درمیان پایا جاتا ہے ۔ اور اس کا تعلق ایک شخص واحد کی جسمانی ضروریات سے ہے ۔ مگر جب مذہب ذرا اعلیٰ درجہ پر پہنچتا ہے تو وہ ایک خاندان ۔ ایک فرقہ ۔ یا فرقوں کے مجموعہ سے تعلق رکھنے والا ہو جاتا ہے ۔ اور ان توسیعات کے ساتھ وہ التجائیں اور استدعائیں جو معبود سے کی جاتی ہیں ان میں وسعت ہو جاتی ہے ۔ وہ بجائے ایک شخص واحد سے تعلق رکھنے کے زیادہ لوگوں سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہاں تک کہ مذہب مشترکہ عبادت ہو جاتا اور عوام الناس کے مقاصد سے علاقہ رکھتا ہے ۔ کیونکہ ایک خانہ بدوش کی ضروریات ایک کاشتکار کی حاجتوں سے جو مقامی زندگی بسر کرتا ہے بالکل مختلف ہوتی ہیں ۔ اور دیہاتیوں کی حاجتیں شہریوں کی ضرورتوں کی نسبت مختلف ہوتی ہیں ۔ اسی طرح اہل لاپ لینڈ کی حاجات حبشیوں کی ضروریات سے بالکل نہیں ملتی ہیں ۔ اور ان اختلافات کا اثر معبودوں کی شکل وصورت اور جو رسوم ان کی توقیر وعزت کے لئے ادا کی جاتی ہیں ان میں بھی نمایاں ہوتا ہے ۔ جب کسی قوم میں صنعت ودستکاری کا شوق پیدا ہوتا ہے تو معبود بھی ایک نیا مذاق اختیار کر لیتے ہیں ۔ جب کسی قوم یا سوسائٹی میں انسانیت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو مذہبی رسوم جو زیادہ وحشیانہ ہوتی ہیں اُن کا اثر لوگوں کے دلوں سے اُٹھ

جاتا ہے۔ اور یا تو اُن کو نیستی کی رونمائی نصیب ہوتی اور یا ایک تبدیلی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اور جب انسان میں ذاتی وجاہت اور شان وشوکت کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ جب اُسے شخصی زندگی کی ذمہ داریوں کی قدر وقیمت محسوس ہونے لگتی ہے تو پُرانا مذہب لوگوں کی نظروں میں پھیکا پڑ جاتا اور اُس کی قدر دلوں سے اُٹھ جاتی ہے بلکہ وہ بے لطف اور دور کرنے کے لایق سمجھا جاتا ہے۔ اور ایک ایسے مذہب کی تلاش کی جاتی ہے جو اُنس ومروت سے زیادہ مملو ہو اور جس میں شخصی یا ذاتی ذمہ داریوں کا خیال زیادہ مضبوط ہو +

مذہب اور تہذیب دونوں ساتھ ساتھ ترقی کرتے ہیں۔ جو حال تہذیب وشایستگی کی ترقی کا ہے وہی مذہب کی ترقی کا بھی ہے۔ اگرچہ بعض اوقات مذہب تہذیب سے پیچھے رہ جاتا ہے اور باوجودیکہ لوگوں کی عقل وضمیر اسے حقیر جانتے ہیں لیکن وہ اپنا اقتدار جمائے رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں جس شے کی سب سے زیادہ قدر کرتا ہے وہ مذہب ہے۔ اور جن رسوم سے اُسے اُنس ہو جاتا ہے اُنہیں وہ تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن مذہب سوسائٹی کی خواہشوں اور ضرورتوں کا جس سے اُس کا تعلق ہو مرقع ہونا چاہیئے جو ضروریات سوسائٹی کی ہوں اُن کا بار دعا وبندگی پر ضرور پڑنا چاہیئے۔ اُس کی قربانیاں اور نذریں عام خیال کے مطابق ہونی چاہئیں معبودوں کو سوسائٹی کے ساتھ تعلق رکھنے کے لئے ضرورت اور وقت کے لحاظ سے بدل کر ایسا ہو جانا چاہیئے کہ لوگوں کی محبت کے لایق بن جائیں۔ اور اگر یہ بات درست ہے کہ تہذیب وشایستگی ابتدا ہی سے ترقی کرتی رہی ہیں تو مذہب پر بھی یہ بات صادق آنی چاہیئے۔ مذہب دراصل تہذیب وشایستگی کا اندرونی پہلو ہے۔

اور مختلف زمانوں اور قوموں میں وہ انسانی زندگی کی نہایت ضروری آرزو اور مدعا کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی قوم کا مذہب اُس کی سیرت و خصلت کا سچا مرقع ہے۔ اور اُس کی حکمت عملی۔ اُس کے مقصد، اور اس کی روش کو بڑی وفاداری کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔ کسی زمانے کا مذہب یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس زمانے میں انسان کی خواہشیں مقاصد اور کوششیں کس قسم کی تھیں۔ اس لئے مذہب کا مطالعہ اور تحقیقات در اصل تاریخ مذہب کی روح اور رجحان کا مطالعہ اور تحقیقات ہے۔ وہ اُن خواہشوں اُن ارادوں۔ اُن مدعاؤں کا مطالعہ اور تحقیقات ہے جس کا تاریخ کے دور میں انسان کی طرف سے اظہار ہوتا رہا ہے۔ اس لئے تاریخ مذہب کے مطالعہ کرنے والے کو تہذیب و شائستگی کی کُل تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

# مذہب کی ابتدا

ہر آباد ملک کسی زمانے میں وحشیوں سے آباد تھا۔ ایک زمانہ وہ تھا جس میں انسان پتھر کے آلات استعمال کرتا تھا۔ اس کے بعد ایک اور زمانہ آیا جس میں وہ فلزات کے آلات اور ہتھیار استعمال کرنے لگا۔ اس ابتدائی زمانہ کے انسانوں کی جو پتھروں کے آلات اور ہتھیار استعمال کرتے تھے اور جن کی گذر اوقات کا ذریعہ صرف شکار تھا۔ اور اُن حیوانات کی جو اب روئے زمین پر نہیں پائے جاتے کوئی تاریخ موجود نہیں ہے۔ اور نہ اُن کا صحیح علم کسی طرح سے حاصل ہو سکتا ہے۔ انسان اپنی ابتدائی اور بیکسی کی حالت سے کس طرح اپنی مدد کرنے کے قابل ہو گیا۔ اُس نے آگ کس طرح دریافت کر لی۔ اُس نے زیادہ اچھے آلات اور ہتھیار کس طرح ایجاد کر لئے۔ حیوانات کو کس طرح پالنے لگا۔ اور سیلانی زندگی کی جگہ مقامی زندگی

کیسے بسر کرنے اور زمین کو کاشت کرنے لگا۔ خاندانی زندگی کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ ماں اور باپ کیسے بچے کے سرپرست اور ولی کس طرح مانے جانے لگے۔ یہ تمام باتیں بذات خود ایک طویل تاریخ ہیں۔ اُن کے لئے انسان کو سخت محنت کرنی اور تکالیف اُٹھانی پڑی ہونگی۔ اور حیوانوں کی سی زندگی سے اُس زندگی میں داخل ہونے کے لئے جس میں انسان کی ممیز سیرت وخصلت وغیرہ کا اظہار ہونے لگا اسے سخت جفاکشی کرنی اور ہاتھ پاؤں مارنے پڑے ہونگے۔ انسان نے جو جو ترقیاں کیں اُن ہی کے مجموعہ کا نام تہذیب ہے۔ اور یہ تہذیب کی ترقی رفتہ رفتہ ہوتی رہی ہے۔

وحشیانہ حالت ہی سے تہذیب وشائستگی کی رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ ابتدا اور ترقی ہوئی ہے۔ گزشتہ زمانہ کے لوگوں میں یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ابتدا میں انسان مہذب وشائستہ تھا۔ مگر اُس حالت سے وہ تنزل وپستی میں پڑ گیا۔ اور اس پر وحشت وجہالت کی حالت طاری ہوگئی۔ مگر اب یہ خیال بالکل متروک ہوگیا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ انسانی تنزل وپستی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن عام طور پر انسان تہذیب وشائستگی میں ترقی کرتا رہا ہے۔ حالانکہ ہر ملک میں تہذیب وشائستگی کو یکساں ترقی نہیں ہوئی ہے۔ بعض ملکوں میں اُسے جلد جلد ترقی حاصل ہوئی اور بعض میں آہستہ آہستہ۔ اور زیادہ تر حالتوں میں تہذیب کی ترقی کسی ملک میں اُن باتوں کے باعث ہوئی ہے جو دوسرے ملک سے آئیں یعنے بیرونی تاثیرات سے۔ جب ایک قوم کا واسطہ یا سابقہ کسی دوسری قوم سے پڑا تو تبادلہ خیالات کے ذریعے اس میں وہ خیالات پیدا ہوگئے جو تہذیب وشائستگی کی ترقی کے لئے لازمی ولابدی تھے۔ مگر بعض بدنصیب ملکوں میں تو تہذیب کو اب تک ترقی نہیں ہوئی۔ اور اب بھی بہت سی ایسی وحشی قومیں پائی جاتی ہیں جن میں تہذیب کا نام ونشان نہیں ہے

وہ اپنی اسی ابتدائی اور پست حالت میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور ان ہی قوموں کی حالت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تہذیب یافتہ قوموں کے بزرگ کیسے لوگ تھے؟ اس سے اس نتیجہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ شایستہ اور تہذیب یافتہ قوموں میں بھی بہت سی رسوم۔ قصص۔ روایات۔ توہمات عقاید وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ جو تہذیب کے زمانہ میں نہیں پیدا ہوئے بلکہ اس سے بہت پہلے۔ اور اُن کو تہذیب مٹا نہیں سکی۔ ان باتوں کا مقابلہ وحشی قوموں کی اسی قسم کی باتوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ تہذیب کی ابتدا وحشیانہ زندگی سے ہوئی ہے۔ اس بارہ میں مسٹر ٹیلر لکھتے ہیں کہ "وحشیانہ حالت بنی انسان کی ابتدائی حالت کا مرقع ہے۔ اور اُس ہی میں سے اُن اسباب کے باعث جو اب بھی کام کر رہے ہیں رفتہ رفتہ اعلیٰ تہذیب و شائستگی کا نشوونما ہوا ہے"۔ تہذیب کی تاریخ کی ابتدا کا پتہ لگانے کے لئے ہمیں ان باتوں کا علم حاصل کرنا چاہئے جو انسان کی ابتدائی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ پتہ لگانا چاہئے کہ وحشی اقوام میں قانون رسوم و فنون اور دیگر آئین کی مبادی اور اصول کیا کیا تھے۔ کیونکہ ان ہی باتوں کے ذریعے تاریخ پر ایک اچھی روشنی پڑتی ہے۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ مذہب اور تہذیب ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے ہیں۔ پس جو بات تہذیب پر صادق آتی ہے وہی مذہب پر بھی آتی ہے۔ اگر کسی زمانہ میں روئے زمین کے تمام ملکوں میں وحشی آباد تھے تو ہر ملک کا ابتدائی مذہب وحشیوں کا مذہب ہونا چاہئے اس ملک میں جو مذہب بعد میں جاری ہوا اس میں بھی پہلے مذہب کی باتیں ضرور داخل ہو گئی ہوں گی جو نیا مذہب جاری ہوتا ہے۔ وہ پرانے مذہب کی اُن باتوں کو لے

لیتا ہے جو اُس کے لایق ہوتی ہیں - اس لئے یہ توقع کرنی چاہئے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب ہیں وہ باتیں اور خصوصیات ضرور پائی جانی چاہئیں جو اُنہوں نے اپنے متقدمین سے حاصل کی ہوں - اور آگے چل کر ہم یہی بات دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب میں دکھائیں گے اُن سبھوں میں بہت سی باتیں جو وحشی اقوام کے زمانہ میں ظہور میں آئی تھیں پائی جاتی ہیں +

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہر بڑے مذہب کی بنیاد کسی ابتدائی مذہب پر ڈالی گئی ہے جو اسی ملک میں رائج تھا جس میں کہ اس کا ظہور ہوا تو اس کے سمجھنے کے لئے پہلے ابتدائی مذہب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے - اس کے لئے ظاہرا وحشیوں کے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کرنا پڑیگا - لیکن دراصل اُس مذہب کا جو ابتدائی قوموں کا مذہب کہلاتا ہے - کیونکہ وحشی اقوام کے مذاہب میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے - وحشی یا ابتدائی قوموں کے مذہب کا ذکر آگے چل کر کیا جائیگا - دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اصلی اصول میں بہت کچھ ملتے جلتے ہوئے ہیں - ممالک مصر اور چین کے مذاہب کے اصلی اصول آپس میں مشابہ ہیں - اور جو باتیں اُن میں پائی جاتی ہیں وہی انکا قوم کے مذہب میں بھی پائی جاتی ہیں - آریوں اور سامی نسل کے لوگوں کے مذاہب میں بھی یہ باتیں موجود ہیں - اگر یہی باتیں بنی انسان کے ابتدائی مذہب میں بھی پائی جائیں تو ایک سوال پیدا ہوگا کہ آیا اُن بڑے بڑے مذاہب نے اسی مذہب سے ان باتوں کو لیا - یا اگر یہ بات نہیں ہے تو اس کا اور کون سا سبب ہو سکتا ہے - اس لئے جب تک کہ ہم وحشی اقوام کے مذہب پر ایک گہری نظر نہ ڈال لیں اور اس کی بابت کچھ نتایج نہ نکال لیں اس وقت تک ہم اس مضمون

کو آگے نہیں بڑھا سکتے +

اس مضمون کے متعلق تمہید کے طور پر ہم ابتدائی اقوام کی دماغی یا عقلی حالتوں اور خصائل کا کچھ بیان کرتے ہیں۔ ہم ابتدائی اقوام کے خیالات کو اُس وقت تک نہیں سمجھ سکینگے جب تک کہ ہم یہ نہ جان لینگے کہ اُن کے خیالات ایسے کس طرح ہو گئے۔ اور وہ غور وخوض کس طرح کیا کرتے تھے۔ ایک وحشی ایک بچے کی مانند ہے۔ جو نہ غور وخوض کرنے کے اصلی طریقوں سے واقف ہے اور نہ اشیا کی حقیقت سے۔ وحشی کو دو چیزوں کا فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اور نہ وہ یہ جانتا ہے کہ خود اُس میں اور ادنےٰ درجہ کے حیوانات میں کیا فرق ہے۔ یا حیوانات اور نباتات میں کیا فرق ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ بعض اشیا اُس سے کس قدر فاصلے پر ہیں اور وہ کس طرح حرکت کرتی ہیں مثلاً آفتاب و ماہتاب آسمان میں کیوں گردش کرتے ہیں اور ہوا کیوں حرکت میں رہتی ہے۔ وہ ان باتوں کو جاننا چاہتا ہے۔ اور ان پر غور وخوض کرنے لگتا ہے۔ وہ اُن کی بابت بہت سے سوالات کرتا ہے۔ اور اُن کے جواب میں جو بات اس سے کہہ دی جاتی ہے اُسی کو وہ درست تسلیم کر لیتا ہے حالانکہ وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ اُسی پر ڈٹا رہتا ہے۔ مزید براں وحشی اشیاء کی نہ تو درجہ بندی کا قائل ہوتا ہے اور نہ قسم و ترتیب کا جو شے واقع ہوتی ہے اُسے وہ بذات خود بالکل علیحدہ اور تنہا تصور کر لیتا ہے۔ اُسے ممکن اور غیر ممکن کا بھی کوئی خیال و تصور نہیں ہوتا۔ یہ الفاظ اُس کے لئے بیکار اور بے معنی ہیں۔ کیونکہ وہ اُن قوانین سے واقف نہیں ہے جن کا واقعات سے تعلق ہوتا ہے۔ ان وجوہات کے باعث اس کی قوت متخیلہ یا قوت خیال یا تصور کی کوئی انتہا ہی نہیں ہوتی۔ وہ

بے سر وپا اصول ایجاد کرتا ہے۔ چونکہ اس میں نکتہ چینی اور چھان بین کرنے کی قابلیت یا قوت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ اُن اصول کو یقین کر لیتا ہے +

بچوں کو ہر قوم میں سُلانے کے لئے لوری دی جاتی ہے۔ یہ لوری کوئی گیت ہوتا ہے اور اس میں کسی شخص کے سورج کی سیر کرنے۔ جانوروں کے انسان کی مانند بولنے۔ جادوگرنی یا پری کی اُن باتوں کو معلوم کر لینے کا جو دور دراز ممالک میں ہو رہی ہوں یا کسی سورما کے خطروں سے بچنے کے لئے متعدد اور مختلف صورتیں بدل لینے کا بیان ہوتا ہے۔ یہ قصص اور باتیں ایک وحشی کے لئے لغو اور ناقابل اعتبار نہیں ہیں۔ بلکہ نہایت اہم اور حقیقی ہیں۔ اور اگر اُس کے زمانے کے قصص کو اچھا اور دلکش لباس پہنا دیا جاتا ہے تو وہ زندہ و برقرار رہتے ہیں اور وہ اصلی واقعات و روایات کا صحیح مرقع اور مثل سمجھے جاتے ہیں +

وحشیوں کی ایک بات قابل توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ وحشی تمام اشیا کو ذی روح سمجھتے ہیں۔ وہ اُن کو بھی اسی قسم کی زندگی سے بہرہ ور سمجھتے ہیں جس قسم کی زندگی سے اپنے آپ کو۔ ایک وحشی اپنی زندگی کے بارہ میں کوئی زیادہ ممتاز خیال نہیں رکھتا۔ نہ اُسے یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے ارد گرد کی چیزوں سے کس قدر مختلف ہے۔ جیسا وہ ہوتا ہے ویسا ہی دیگر چیزوں کو بھی سمجھتا ہے۔ وہ نہ صرف حیوانات و نباتات بلکہ جمادات کو بھی۔ نہ صرف متحرک بالارادہ اشیاء کو بلکہ متحرک غیر ارادہ کو بھی اپنی مانند سمجھ لیتا ہے۔ وہ خود جاندار ہوتا ہے۔ اس لئے دوسری اشیاء اور مخلوق کو بھی جاندار سمجھتا ہے۔ وہ اُن کو اپنی ہی مانند اور اپنے ہی سے حواس و جذبات رکھنے۔ اپنی ہی طرح غور و خوض کرنے والا سمجھتا ہے۔ اور اگر اس سے یہ کہا جائے کہ وہ بھی اس کی مانند گفتگو

اور بات چیت کرتے ہیں تو اس پر ایمان لے آتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک لاانتہا پریشانی کے عالم میں جس میں نہ کوئی قانون ہے۔ نہ مخلوق کی درجہ بندی ہے۔ نہ کسی بات کی جانچ کرنے کے ذرایع ہیں رہتا ہے وحشی کا دماغی عالم ایسے کل عالم کے جو دیوانگی میں مبتلا ہو گیا ہو شور و شر کی مانند ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کے تجربہ اور علم سے دنیا کا علم حاصل ہوتا ہے +

اگرچہ دنیا میں ظاہرا ایک بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔ تاہم انسانی غور و خیال میں ایک موافقت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وحشیوں کی آزاد خیالی سے اشیاء کی حقیقت اور اس دنیا میں انسان کے مرتبہ کی بابت بہت سے متضاد اور مختلف خیالات اور رائیں قائم ہو سکتی ہیں تاہم ایسا نہیں ہونے پاتا۔ اس کی بابت مسٹر ٹیلر یوں لکھتے ہیں کہ "انسان سے ایک ہی سے دماغی اعمال سرزد ہوتے۔ اور عالمگیر قصص اور افسانوں سے انسانی خیال کی موافقت اور بے قاعدگی پائی جاتی ہے"۔ اسی طرح ایم ریو آئل لکھتے ہیں کہ "وحشیوں کے مذہب کا خاصہ ہر جگہ ایک ہی ہے۔ صرف صورت کا فرق ہوتا ہے"۔ مسٹر لینگ ایک ہی قسم کے قصص کے تمام دنیا میں پھیلنے کی نسبت لکھتے ہیں کہ "بہت سے عالمگیر قصص کے پھیلنے کا سبب انسان کا دماغی عمل ہے"+

وحشیوں کی اُن باتوں میں سے جو اُن میں پائی جاتی ہیں ایک اُن کا مذہب بھی ہے۔ یہ بات تسلیم ہو چکی ہے کہ دیوتاؤں پر ایمان لانا اور اُن کی پرستش کرنا اُن کے ہاں ایک عالمگیر خاصہ تھا۔ اور جن سیاحوں نے بعض قوموں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کسی مذہب کے قائل نہیں اُسے اب اُن کی غلط فہمی کہا گیا ہے یا اس بات کے خلاف قرار دیا گیا ہے کہ مذہب وحشیوں کا ایک عالمگیر خاصہ ہے +

مذہب ان میں کیسے پھیلا؟ اور اُس حالت میں جبکہ وہ اُن تمام باتوں سے جو آج تک ظہور میں آتی رہیں بالکل نا واقف تھے۔ یا جب اُن کی عقل میں ارتقا نہیں ہوا تھا اور وہ حیوانات کی مانند تھے اُن میں مذہب کا خیال کیونکر پیدا ہوا؟ یہ باتیں ایک ابتدائی الہام سے منسوب کی گئی ہیں۔ کہتے ہیں کہ خدا نے ابتدا ہی سے جہاں اور نعمتیں انسان کو عطا کیں وہاں اُسے مذہب بھی عطا کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کو نہ صرف ادب و توقیر کرنے اور تقویٰ والی طبیعت عطا کی۔ بلکہ مذہبی امور کا بھی کسی قدر علم عطا کیا پس چند مذہبی خیالات سے جن کو درجہ تکمیل کو پہنچانے کے لئے اُسے کوئی محنت و کوشش نہیں کرنی پڑی۔ بلکہ اسے بنے بنائے اور تیار مل گئے اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ مگر عقل اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی مثلاً جو مذہب انسان کو پہلے پہل عطا کیا گیا اگر وہ اعلیٰ درجہ کا اور پاک تھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسانی زندگی کی حالت ایسی رہی ہوگی جو وحشیوں کی زندگی کے سے جدوجہد اور شکوک و احتمالات سے بالکل مبّرا ہوگی۔ اور تہذیب و مذہب دونوں کو زوال بعد میں ہوا ہوگا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام بنی انسان ایک پاک مذہب کو بھول گئے ہوں؟ اس حالت میں تو انسان اُس کے قایم رکھنے کے قابل ہی نہیں تھا۔ اور وہ اُسے قبل از وقت عطا کیا گیا۔ نہیں۔ بات کچھ اَور ہی ہے۔ ابتدائی تہذیب کی تاریخ ایک ایسی جنگ و جدل کی تاریخ ہے جس میں انسان کو ہر شے پر فتح حاصل کرنی پڑی۔ اور اس میں جو بات اس سے دُور یا گم ہو گئی وہ اُسے یاد نہیں رہی۔ وہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے نئے راستوں سے آگے بڑھتا گیا۔ اور اگر اُس نے ایک مرتبہ تہذیب کو حاصل کر لیا تو گویا مذہب کو بھی کر لیا۔

ہمیں اس مسئلہ کو بھی نہیں ماننا چاہئے کہ **مذہب کا خیال ابتدا ہی سے انسان کی فطرت میں موجود تھا**۔ وہ اُس کی ذات میں ودیعت کیا گیا تھا۔ گویا مذہب جبلی یا خلقی تھا۔ اور مذہب کے بارہ میں انسان کو جو کچھ کرنا واجب تھا وہ سب اس کے دماغ میں موجود تھا اور یہ کہ اُسے کس طرح انجام دیا جائے۔ فی الحقیقت اس دماغ میں سے ایک تحریک پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اُس کا سبب کوئی ایسی خاص قوت نہیں تھی جو انسانی فطرت کے باہر تھی۔ بلکہ خود اُس کے دماغ میں موجود تھی۔ انسان کے دل میں مذہب کی بنیاد کیسے پڑی۔ ہم اس فلسفیانہ سوال کو نظر انداز کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق علم روح سے ہے۔ دنیا کے ہر دور میں اس خارجی دنیا میں جو انسان کے چاروں طرف تھی۔ اور اُن خیالات وجذبات کی دنیا میں جو اُس کے دل ودماغ میں تھی ایک مخالفت اور معرکہ آرائی رہی ہے۔ لیکن اُس کے دل میں یہ اعتقاد بھی قایم رہا ہے کہ کسی نہ کسی طریقہ میں ان دونوں میں اتحاد واتفاق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ ایک ایسی طاقت کا وجود ہے جو ان دونوں متضاد دنیاؤں پر حکمرانی کرتی ہے۔ اور اگر انسان اس طاقت اور اپنی ذات یا ہستی میں تطابق پیدا کر سکے تو وہ اس نا اتفاقی۔ مخالفت اور معرکہ آرائی کے اثر سے محفوظ رہ سکیگا۔ اسی خیال یا یقین نے انسان کو جوں ہی کہ اس کے علم وادراک کا اظہار ہوا ایک اعلےٰ طاقت کی تلاش وتجسّس پر آمادہ کر دیا۔ اس طرح مذہب کے خیال کی ابتدا ہوئی۔ اور اس نے رفتہ رفتہ مختلف صورتیں اختیار کیں۔ مگر جو خیال ایک مرتبہ یقین کی صورت میں متشکل ہو گیا وہ اب تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے ٭

# ابتدائی معبود

اب ہم ان چیزوں کا بیان کرتے ہیں جن کی وحشی اقوام ابتدائی زمانہ ہی میں عبادت کرنے لگی تھیں - ہم ان تمام چیزوں کا بیان نہیں کر سکیں گے - بلکہ ان میں سے اُن کا جواب تک بڑے بڑے مذاہب میں موجود ہیں - اُن میں یکے بعد دیگرے مندرجہ ذیل اشیاء کی پرستش ہونے لگی تھی +

۱- موجودات ایزدی (۱) بڑی (۲) چھوٹی -

۲- بزرگوں کی ارواح اور دیگر ارواح -

۳- اشیاء جن کا ارواح سے تعلق تھا جسے انگریزی زبان میں فیٹس کہتے ہیں -

۴- ایک اعلےٰ طاقت یا ہستی -

۱- قدیم زمانہ میں چاہے کتنی ہی دور چلے جاؤ اس میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وحشی اقوام موجودات ایزدی کو اپنا مددگار اور حاجت روا سمجھتی تھیں - اُن کی گذر اوقات اور راحت کا دارمدار آفتاب ہوا اور بارش وغیرہ پر بہت کچھ تھا - اگر وہ اپنے خیال کے مطابق ان اشیاء کو اپنی ہی مانند ذی روح اور اپنے ہی سے حواس و خیالات و جذبات رکھنے والا سمجھتے تھے تو اُنہوں نے اُن کے ساتھ ربط و ضبط قایم کرنے کے لئے ضرور کوشش کی ہوگی - بارش سے اشیاء اُگتی اور بڑھتی ہیں - آفتاب کی حرارت سے اُن کے نشو ونما میں مدد ملتی ہے - بادل کی گرج سے خشک موسم جاتا رہتا ہے - ہوا سے زمین خشک ہو جاتی اور بارش ہوتی ہے - زمین سے غلہ اور میوہ جات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں - چاند کی روشنی سے کاروبار

میں مدد ملتی ہے۔ آگ کھانا پکانے اور سردی میں تاپنے کے کام آتی ہے۔ سمندر اور جھیل سے پانی یا خوراک کی چیزیں ملتی ہیں۔ اور چونکہ ان سبھوں سے انسان کی کوئی نہ کوئی حاجت رفع ہوتی ہے اس لئے وحشی انسان اُنہیں معبود سمجھنے لگے +

اس موقع پر ہم علم الاصنام کا بیان نہیں کرینگے۔ یعنی جو نام وحشیوں نے ان قدرتی اشیاء کو دئے یا جو قصص ان کے متعلق گڑھ لئے کیونکہ یہ ایک جداگانہ اور طویل مضمون ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ابتدا ہی سے علم الاصنام کی بنیاد افسانے کے ذریعے پڑ گئی +

وحشی انسان نے صرف قدرت کی بڑی بڑی اشیاء کی عبادت کرنے پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ رفتہ رفتہ وہ دریاؤں۔ چشموں۔ درختوں کنجوں باغوں۔ چٹانوں اور چھوٹے چھوٹے حیوانوں کو بھی اس وجہ سے کہ اُن سے اُن کی کوئی نہ کوئی حاجت پوری ہوتی تھی اپنا معبود سمجھنے لگے +

۲۔ ابتدائی زمانہ ہی سے بنی انسان میں مردوں کی پرستش ہونے لگی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ موت کی حقیقت سے واقف نہ تھے۔ وہ موت کو ایک خواب کی حالت سے تعبیر کرتے تھے جس میں روح جسم کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ سیر یا سفر یا کسی اور غرض سے چلی جاتی ہے۔ اور پھر واپس آجاتی۔ جب واپس نہیں آتی وہ جسم مر جاتا ہے۔ مگر روح فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی دوسری جگہ مقام کرتی ہے۔ یہ روح جسم سے مشابہ ہوتی ہے۔ مگر نہایت ہلکی اور باریک۔ وہ ذرا سے سوراخ میں ہو کر گزر سکتی ہے۔ وہ جب چاہتی ہے اپنے عزیزوں کے پاس آتی ہے۔ اور اُنہیں ستاتی اور تکلیف دیتی ہے۔ اسی خیال سے روح کی عبادت ہونے لگی جس میں اُس کے خوش کرنے کے وسائل اختیار کئے جاتے تھے۔

اسی خیال سے مردوں کے ساتھ بہت سی چیزیں دفن کی جاتی یا جلائی جاتی تھیں۔ اجداد پرستی کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے بزرگوں اور عزیزوں کی یادگاریں قایم کرتے یا اُس کی یادگاریں کوئی جشن مناتے تھے جس میں بہت سی باتیں کی جاتی تھیں - اور یہی رسم رفتہ رفتہ عبادت کی شکل میں منتقل ہو گئی ◆

۳۔ فیٹش ورشپ - یہ بھی ایک قسم کی عبادت ہے جس میں اس وجہ سے کسی شے کی عبادت کی جاتی ہے کہ اس کا کسی روح سے تعلق ہوتا ہے - درحقیقت اُس شے کی عبادت نہیں کی جاتی - بلکہ اس روح کی جس کا اس سے تعلق ہوتا ہے - ایسے معبود کو انسان رد بھی کر دیتے ہیں - جب تک وہ اُن کی سمجھ کے موافق اُن کی حاجت روائی کر سکتا ہے تب تک اس کی عبادت کی جاتی ہے - ورنہ نہیں - لفظ فیٹیسز پرتگالی زبان کا ہے - اور اُس کے معنی "مصنوعی" کے ہیں - یہ لفظ حبشیوں کے معبودوں کو پرتگالی جہازرانوں نے اٹھارھویں صدی میں دیا تھا جبکہ وہ افریقہ کے مغربی ساحل پر گئے تھے - یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے - مگر یہاں اُس سے وہی مراد ہے جو اُوپر بیان ہو چکی - دراصل یہ مذہب مذہب کی حد میں نہیں آسکتا مگر چونکہ لاکھوں بنی آدم کا مذہب ہے اس لئے اس کا ذکر مجبوراً کیا جاتا ہے ◆

۴۔ وحشیوں کے مذاہب میں ایک معبود سب سے اعلیٰ اور بڑا سمجھا جاتا ہے - مگر اُن کے تمام ایسے معبود نہ ایک ہی قسم کے ہیں اور نہ ایک ہی سے خواص و خصائل رکھتے ہیں - کسی مذہب میں آسمان سب سے بڑا معبود سمجھا جاتا ہے - کسی میں آفتاب - کسی میں بادل کی گرج - اور بجلی کی کڑک - کسی میں کوئی حیوان - اس بڑے معبود کے باقی سب معبود ماتحت ہوتے ہیں - وحشیوں میں کسی اعلیٰ ہستی یا طاقت کا اعتقاد

نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ایک اعلیٰ معبود اور دیوتا کا۔ اور یہ سب معبود ایک ہی اصل سے نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف الاصل ہیں اور کسی خاص وجہ سے دوسرے دیوتاؤں پر فوق لے گئے اور بڑے دیوتا بن گئے ۔

پیشتر ازیں اُن چیزوں کا ذکر ہوچکا ہے جن کی وحشی اقوام ابتدائی زمانہ ہی میں عبادت کرنے لگی تھیں۔ اب منجملہ اور باتوں کے یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ ان ابتدائی معبودوں میں سب سے پہلے کس قسم کے معبودوں کی عبادت کو رواج ہوا ۔

(۱) کیا سب سے پہلے معبود فیٹش معبود تھے؟ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا جب تک لوگوں کی یہ رائے تھی کہ دنیا بھر کے مذاہب فیٹشزم سے نکلے ہیں۔ وحشیوں نے پہلے کسی عارضی اور حقیر شے کو اپنا معبود مان لیا۔ اور رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے درختوں پہاڑوں۔ دریاؤں مچھلیوں ستاروں۔ ماہتاب۔ آفتاب۔ افلاک اور روحوں کو اُنہوں نے اپنا معبود قرار دے لیا۔ اور آخرکار ایک واحد خدا کے قائل ہوگئے ۔

یہ رائے کسی قدر دلفریب تو ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے مذاہب ادنےٰ درجہ سے برابر ترقی کرتے رہے ہیں۔ مگر اُس میں بہت سی سخت مشکلات پائی جاتی ہیں مثلاً وحشیوں نے پتھر یا لکڑی کو کیونکر معبود اور معجزنما یا فوق الفطرت۔ قوت و اختیار رکھنے والا تسلیم کرلیا؟ کس نے اُسے بتا دیا کہ وہ پتھر یا لکڑی کو معبود اور معجزنما اختیار والا مان لے۔ کیونکہ پتھر وغیرہ میں تو ایسی بات بتانے کی قدرت ہی نہیں تھی۔ اور یہ تسلیم کرلینا کہ اُن میں ایسی بات بتانے کی قدرت تھی ایک ناقابل اعتبار بات ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ خدا یا معبود کا خیال انسان کے دل میں کسی اَور طرح اور اَور طرف سے پیدا ہوا۔ جسے اُس نے بے ڈھنگے اور مغلق طریقہ میں متشکل کردیا۔ اور نہ کہ اس طریقہ میں کہ اس خیال

کو اس نے ادنیٰ درجہ کی اشیاء سے حاصل کیا اور بعد میں اُن سے اچھی یا اعلیٰ درجہ کی اشیاء کے ساتھ منسوب کر دیا۔ جن قوموں کے مذہب میں فیٹیشزم پایا جاتا ہے اُن میں مذہبی تنزل کے آثار صاف طور پر نمایاں ہیں۔ کیونکہ بڑا معبود یا بڑے معبودوں کا زور و وقعت کم ہوگئی ہے اور اُن کی جگہ ادنےٰ درجہ کے معبود یا ارواح نے لے لی ہے۔ اور بڑے معبود جو ابتدائی معبود تھے اور جن پر لوگ اب بھی ایک مبہم طریقہ میں اعتقاد رکھتے ہیں اُن کی جگہ بے شمار ادنےٰ درجہ کے معبودوں۔ گویا اچھے معبودوں کی جگہ برے معبودوں کی عبادت ہونے لگی ہے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ فیٹش معبود سب سے پہلے معبود نہیں ہیں +

کیا سب سے پہلے معبود ارواح تھیں؟ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کے سب سے پہلے معبود بزرگوں کی ارواح اور دیگر ارواح تھیں۔ مسٹر ہربرٹ اسپنسر اور مسٹر ٹیلر اس خیال کی بڑے زور کے ساتھ تائید کرتے ہیں۔ بقول مسٹر اسپنسر "وہ تمام مذاہب کی ابتدائی شکل و ہیئت مردہ بزرگوں کی رضاجوئی اور اُن کی منت ماننا تھی"۔ انسان جوں ہی کہ عقل دوڑانے اور غور و خوض کرنے کے قابل ہوگیا اس نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ نباتات۔ حیوانات۔ آفتاب ماہتاب اور موجودات ایزدی میں سے دیگر اشیاء میں مردہ لوگوں کی ارواح بستی ہیں۔ مسٹر ٹیلر کی رائے بھی یہی ہے کہ تمام مذاہب کی ابتدا ارواح پرستی ہے۔ چونکہ ابتدا میں انسان اپنے اور دیگر اشیاء کے درمیان تمیز نہیں کر سکا۔ اس لئے اُس نے یہ رائے قائم کر لی کہ دیگر اشیا میں بھی اس کی مانند روح ہے۔ اس طرح تمام موجودات ایزدی ذی روح سمجھی جانے لگی۔ اور جو باتیں اس دنیا میں ظہور میں آتی تھیں وہ ان ہی ارواح کا فعل سمجھی جاتی تھیں۔ انسان کا جسم ایک روح سے

معمور یا آباد مانا جاتا تھا۔ اور اُس کے ارادے سے اُس سے افعال سرزد ہوتے رہتے تھے۔ اسی طرح دنیا کے دیگر کام جو انسان نہیں کرسکتا تھا ان کو دیگر ارواح انجام دیتی تھیں۔ پس تین قسم کی ارواح کی عبادت ہونے لگی۔ مثلاً بزرگوں کی ارواح۔ ارواح جو موجودات ایزدی میں سکونت رکھتی تھیں۔ خود مختار ارواح۔ مسٹر ٹیلر کی بھی رائے ہے کہ متعدد معبودوں میں سے کچھ اعلے درجہ کے تھے اور کچھ ادنےٰ درجہ کے۔ مگر یہ اختلاف صرف درجہ کا تھا نہ کہ نوعیت کا۔ کیونکہ جس طرح انسانوں میں بادشاہ اور اُمرا ہیں۔ اسی طرح معبودوں میں بھی بعض معبود اوروں سے بڑے ہیں۔ ارواح پرستی سے بڑے بڑے معبودوں کی عبادت ہونے لگی ✣

ان دونوں فاضلوں کی رائے غلط ہے۔ اگرچہ بہت سے مذاہب کی ابتدا ارواح پرستی سے ہوئی جنھوں نے ترقی کرکے دیوتاؤں کی عبادت اختیار کرلی۔ مگر یہ بالکل غلط ہے کہ تمام مذاہب کی ابتدا ارواح پرستی ہے۔ یہ جو خیال ہے کہ موجودات ایزدی میں ارواح کی سکونت کے خیال کی تکمیل ہونے سے پہلے ہی موجودات ایزدی کی بڑی اشیا یا طاقتوں کی پرستش ہونے لگی تھی۔ مسٹر اسپنسر اور مسٹر ٹیلر دونوں کی رائے مذکورہ خیال کی ضد و برعکس ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض ہوسکتے ہیں کہ انسان اس خیال کی تکمیل سے پہلے کس طرح بڑی طاقتوں کو ماننے لگا؟ جو تاثیر ان اشیا نے اس کے حواس پر پیدا کی۔ کیا اسی باعث اُسے وہ قابل عبادت نہیں معلوم دینے لگیں؟ کیا اُسے اُن کے ساتھ تعلقات اور ربط ضبط قایم کرنے سے پہلے اس بات کے ثابت کرنے کی فی الواقع ضرورت پڑی کہ اُن میں ارواح موجود ہیں ✣

**کیا سب سے پہلے معبود موجودات ایزدی کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں؟** مسٹر ریوایل کی رائے ہے کہ سب سے پہلے معبود درخت۔ دریا اور ایسی ہی چیزیں تھیں۔ اور بڑی بڑی قدرتی چیزوں کی عبادت کا رواج بعد میں ہوا۔ مسٹر میکسمولر کا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ فرانس کے علما کا یہ خیال ہے کہ سب سے پہلے چھوٹی اشیا کی پرستش کا رواج ہوا۔ اور جب ارواح کا خیال انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوا تو اُنھوں نے اُن کو پرستش کی اشیا سے منسوب کر دیا۔ مگر جرمنی کے علما کی رائے ہے کہ سب سے پہلے بڑی اشیا کی عبادت کا رواج ہوا۔ اور جب انسان کو معلوم ہوا کہ چھوٹی اشیا میں بھی ارواح پائی جاتی ہیں تو اس نے اُن کو بھی پوجنا شروع کیا۔ مگر اُن کی عظمت کا خیال اس کے دل میں بڑی چیزوں کے خیال کے بعد پیدا ہوا۔ انگلستان کے علما کا خیال ہے کہ چھوٹی اشیا کی عظمت کا خیال انسان کے دل میں پہلے پیدا ہوا۔ اور بڑی کا بعد میں۔ اور جب اُس نے اُن کو بھی ذی روح سمجھ لیا تو اُن کی عبادت کرنے لگا۔ مذکورہ بالا رائیوں سے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے معبود کوئی اور ہی تھے +

**کیا سب سے پہلے معبود بڑی موجودات ایزدی تھے؟** بہت سے زبردست عالموں اور مصنفوں کی رائے ہے کہ بڑی موجودات ایزدی کی پرستش سے تمام مذاہب کی ابتدا ہوئی۔ اس کی تائید میں ہم دو عالموں کی رائے درج کرتے ہیں۔ ایک مسٹر میکسمولر دوسرے مسٹر ایڈوارڈ فان ہارٹ من +

مسٹر میکسمولر کی رائے میں مذہب کی ابتدا ارواح پرستی سے نہیں ہوئی۔ اور عارضی اشیا کی عبادت اُس مذہب کی شکل وہیئت

نہیں ہے جو کسی زمانہ میں عالمگیر مذہب تھا۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی ابتدا اتفاقیہ ہو گئی۔ اور دوسرے مذاہب کے طفیل سے اسے ترقی حاصل ہوئی۔ مگر میکسمولر نے یہ نہیں بتایا کہ ابتدائی مذہب کون سا تھا۔ اُس نے اس مسئلہ یا سوال کو ہندوستان کے مذہب کے بیان میں اُٹھایا ہے۔ مگر اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ آریوں کے مذہب یا وید کے مذاہب کی ابتدا کس مذہب سے ہوئی۔ تاہم اس نے جو کچھ رائے اس بارہ میں قائم کی ہے اور جس میں اُس نے انسان کی روحانی ترقی کا ذکر یہ کہتے ہوئے کیا ہے کہ اُس نے ایک قسم کی اشیا کی عبادت سے دوسری قسم کی اشیا کی عبادت شروع کی اس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس بارہ میں دراصل اس کی رائے کیا تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک تو ایسی اشیا ہیں جن کو ممکن المس کہتے ہیں شلا پتھر۔ ہڈی انسان نے اُن کی عبادت کبھی نہیں کی۔ دوسری وہ اشیا ہیں جو نصف ممکن المس کہلاتی ہیں۔ مثلاً درخت۔ پہاڑ۔ دریا۔ سمندر زمین وغیرہ۔ ان چیزوں میں دیوتاؤں کی سی نصف خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ تیسرے وہ اشیا ہیں جو ناممکن المس کہلاتی ہیں مثلاً آسمان۔ ستارے۔ آفتاب۔ صبح۔ شام۔ ماہتاب وغیرہ۔ اور ان میں معبودیت یا خدائی صفات پائی جاتی ہیں۔ ان تینوں قسم کی اشیا میں انسان کسی محدود نہیں بلکہ لامحدود شے کو تلاش کرتا ہے۔ ابتدا ہی سے اُسے کسی ایسی شے کا خیال دامنگیر تھا جو اُس سے دور تھی۔ وہ پرستش کی مختلف چیزوں کو یکے بعد دیگرے لیتا ہے۔ مگر اس لئے نہیں کہ ان کی عبادت کرے۔ بلکہ اُسی لامحدود شے کو ڈھونڈنے کے لئے۔ جب وہ بڑی موجودات ابدی

کی طرف توجہ دیتا ہے تو اُسے اُن میں کوئی بڑی اور افضل شے معلوم ہوتی ہے۔ وہ اُن کے بڑے بڑے نام رکھتا ہے۔ وہ انہیں منور یعنی نورانی ذی روح اور غیر فانی کہتا ہے۔ اول اول یہ نام محض بیانیہ اور صفاتی تھے۔ مگر بعد میں اُس نے اپنی عقل حیوانی کی تحریک سے اُن اشیا کو مجسم مان لیا۔ اور اُن سے انسانوں کے سے خواص و افعال منسوب کرنے لگا۔ پس وہ اشیا کو محدود۔ منور اور ذی روح اشخاص سمجھنے لگا۔ اور اس کی خواہش جو ایک محدود ذات کے حصول کے لئے تھی وہ پوری ہو گئی۔ اس طرح آریہ لوگ "ایک ظاہری شے سے ایک مخفی شے کی طرف۔ روشن اشیا سے جن کو مس کیا جا سکتا تھا۔ یا دریا جو نظر آتا تھا۔ یا گرج جیسے سُن سکتے تھے۔ ایسے معبود کی طرف بڑھتے گئے۔ جن کو نہ مس کیا۔ نہ سُنا اور نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر اس راستہ کا سراغ خود قدرت نے لگا لیا تھا"۔

یہ اصول نہایت ہی مغلق اور مبہم ہے۔ وہ مذہب کی ابتدا کا کوئی ٹھیک پتہ نہیں بتاتا۔ مگر استدلال کے طور پر بتاتا ہے۔ اور اسے بھی وہ دو متناقض طریقوں میں ظاہر کرتا ہے۔ ایک طرف تو مسٹر میکسمولر کو اس بات سے انکار ہے کہ مذہب کی ابتدا ارواح پرستی سے نہیں ہوئی۔ دوسری طرف یہ کہتا ہے کہ ممکن المس اشیا سے انسان اعلیٰ درجہ کی اشیا تک پہنچ گیا۔ مسٹر میکسمولر کی رائے میں آریوں کے مذہب کی ابتدا چینیوں اور مصریوں کے مذاہب کی مانند ہوئی۔ خارجی اشیا نے جو تاثیر انسان کے دل پر کی اُس کے اُس سابقہ خیال سے جو ایک لامحدود ذات کے بارہ میں اُس کے دل میں موجود تھا ملنے کے باعث مذہب کی ابتدا ہو گئی۔ گویا جن ضروریات نے انسان کو زمین و آسمان کی بڑی اور طاقتور اشیاء

کو خدا ماننے کی تحریک کی وہ حیوانی یا مادی طرز کی نہیں تھیں۔ بلکہ عقلی اور دماغی طرز کی۔ جن سے عقل و دانش کا صاف صاف پتہ لگتا ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنے لئے اس قسم کا مذہب مقرر کیا وہ وحشی نہیں معلوم ہوتے۔ بلکہ شائستہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ مذہب کی ابتدا اُس طریقہ میں نہیں ہوئی۔ جس میں اس کا ہونا مسٹر میکسمولر نے تسلیم کر لیا تھا۔ اور اُس سے پہلے ایک مذہب اور ایک تہذیب کا وجود ضرور رہا ہوگا +

ایڈوارڈ فان ہارٹمن کی رائے یہ ہے کہ اجسام فلکی کی عبادت انسان ابتدائی زمانہ ہی سے کرنے لگا تھا۔ وہ مذہب کو انسان کی ذات میں ودیعت نہیں بتاتا۔ بلکہ مذہب اُس نے نیچی حالت سے اونچی حالت تک ترقی کرنے کے زمانہ اور حالت میں حاصل کیا تھا۔ اور مذہب کی اصلی غرض راحت و مسرت کی خواہش تھی۔ ہارٹمن صاحب کا خیال ہے کہ مذہب کی ابتدا سے پہلے ہی وہ چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے اور جوں ہی کہ یہ عبادت عملی صورت میں آجاتی ہے مذہب کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اور یہ عبادت انسان اپنی ضروریات کے باعث اختیار کرتا ہے۔ رفع ضروریات کے لئے اسے ایک دوست اور حاجت روا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اجسام فلکی کی پرستش جو مختلف ملکوں میں رائج ہوئی اُس کا سبب اور منبع ایک ہی تھا۔ اور اگر تمام مذاہب کی ابتدا ایک ہی سی نہیں ہوئی تو زیادہ تر کی ہوئی۔ اور کم از کم اُن کی جن کے عابدوں کی عادت و خصلت ایک ہی سی تھیں۔ الغرض ہارٹمن صاحب کی رائے کا لب لباب یہ ہے کہ ابتدائی اور اصلی مذہب اجسام فلکی کی عبادت تھی + اس رائے کی تائید جرمنی کے ایک مصنف اوٹو پفلائیڈرر اور دیگر

عالموں نے بھی کی ہے۔ اور اُن کی رائے جو ہارٹ من کی رائے سے زیادہ درست ہے یہ ہے کہ انسان نے نہ صرف خوراک کی ضرورت سے موجودات ایزدی کی عبادت کی۔ بلکہ کسی اور ضرورت سے اور نیز اس وجہ سے کہ اُسے اس بات کے معلوم کرنے کی خواہش تھی کہ جس دنیا میں وہ رہتا ہے وہ کس قسم کی دنیا ہے۔ اور جو باتیں یا اشیا اس کے قوت متخیلہ میں سمائی ہوئی ہیں اُن کے ساتھ تعلق پیدا کیا جائے اور یہ کہ وہ اس دنیا میں تنہا نہ رہے بلکہ کسی کا تابع فرمان اور احسان بردار بن کر رہے +

نتیجہ۔ تمام مذکورہ بالا رایوں اور خیالوں پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب کی ابتدا موجودات ایزدی یا قدرتی اشیاء کی پرستش سے ہوئی ہے +

## ابتدائی عقاید

ہم یہ تو بیان کر چکے کہ ابتدا میں انسان نے کن کن چیزوں کو اپنا معبود قرار دیا۔ چونکہ معبودوں کی ابتدا مختلف تھی۔ اس لئے اُن کے متعلق جو عقاید ظہور میں آئے ان میں اختلاف ہے بڑی موجودات ایزدی یا بڑے دیوتاؤں سے ایک طرح کے مذہب کا ظہور ہوا چھوٹی موجودات ایزدی یا چھوٹے دیوتاؤں سے دوسری طرح کے مذہب کا اور مردوں کی ارواح پرستی سے تیسری طرح کے مذہب کا۔ لیکن ان متعدد اور مختلف مذاہب کی ترقی پہلو بہ پہلو ہونے سے ایک کا دوسرے پر ضرور اثر پڑا۔ اور ابتدائی زمانہ ہی سے یہ مذاہب آپس میں خلط ملط ہونے شروع ہو گئے تھے۔ کوئی بڑا مذہب۔ ایسا نہیں ہے جس میں اُن کا

اجماع اور اختلاط نہ پایا جاتا ہو۔ اب ہم اُن مذاہب یا عقاید کو ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں +

**بڑے معبودوں کی عبادت** - جن چیزوں کی ابتدا میں عبادت کی گئی وہ قدرتی اشیا تھیں۔ اور ذی روح سمجھی جاتی تھیں۔ انسان آسمان آفتاب - بادل کی گرج - صبح اور شام وغیرہ کو نذریں چڑھاتے اور اُن ہی کو دعامیں مخاطب کرتے تھے۔ گویا اُن ہی سے عرض و معروض کرتے تھے۔ اور اس دنیا کے بہت سے ملکوں میں وحشیوں کے مذہب اور نیز بڑے بڑے مذاہب میں آج تک یہی بات ہوتی ہے +

انسان کی قوت خیال نے اُسے اُسی مقام پر نہیں ٹھیر جانے دیا۔ بلکہ آگے بڑھایا۔ اور اس نے اپنے ان معبودوں کے نام رکھے۔ اس کے بعد اس نے ایک نیا خاصہ۔ ایک نئی سیرت اور نئے اختیارات و طاقتیں جو اُس نام سے ظاہر ہوتی تھیں اس معبود کے ساتھ منسوب کر دیں۔ نام رکھتے وقت اُس نے اُن کو اُن مخلوق کے نام دئے جن سے وہ مانوس اور واقف تھا۔ مثلاً چاند کا نام گائے رکھا۔ آسمان کا نام باپ اس وجہ سے رکھا کہ وہ باپ کی مانند سایہ افگن رہتا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اُس نے اُن کی تاریخیں اور اُن کے باہمی تعلقات کے متعلق قصص گھڑ لئے۔ اگر چاند گائے تھا تو آفتاب کا نام بیل رکھا جو ہر وقت اس کے تعقب میں رہتا تھا۔ گویا معبودوں کو انسان نے پہلے جانوروں کے نام دئے تھے +

انسان نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اور بھی آگے بڑھا۔ اُس نے سمجھا کہ اگر آسمان باپ ہے تو زمین ماں ہے۔ (یہ خیال تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے) اور تمام انسان اُس کے بچے ہیں۔ اگر آفتاب مذکر ہے تو مردوں کے سے کام کرتا ہوگا۔ اگر طوفان مذکر ہے تو وہ ایک جنگجو اور

شکاری ہوگا۔ اس طرح پر معبود یا قدرتی شے شخصی اور جسمانی حیثیت میں آگئی اور رفتہ رفتہ وہ قدرتی اشیاسے بالکل علیحدہ سمجھی جانے لگی ۔ اور اُن کے متعلق عجیب وغریب قصص۔ افسانے اور روایات پیدا ہوگئیں۔ جن میں اگر اختلاف ہے تو ان کے مختلف افسانوں یا انسان کی مختلف قوموں کی قوت خیال اور عادات وخصائل کے مختلف ہونے کے باعث۔ بڑی موجودات ایزدی کی پرستش سے کئی قسم کے مذاہب کی ابتدا ہوئی۔ اُن میں سے ایک "بہت سے معبودوں کا اعتقاد" ہے جسے انگریزی میں پولی تھیزم کہتے ہیں۔ ہر دیوتا کی ابتدا جداگانہ ہے۔ اور ایک دیوتا کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے کا ظہور ہوا اور اس طرح بہت سے دیوتا ہوگئے ۔ آگے چل کے دو ملک کے دیوتا آپس میں خلط ملط ہوگئے۔ ایسی حالت میں دیوتا تو بہت سے ہوگئے۔ مگر یہ خیال پیدا نہیں ہوا۔ کہ اُن میں سے کون سا دیوتا سب سے افضل ہے۔

اگرچہ یہ درست ہے کہ انسان عبادت کے وقت صرف ایک دیوتا سے عرض ومعروض کرتا ہے۔ اور جس طرح ایک نوکر کئی آقاؤں کی خدمت نہیں کرسکتا۔ اسی طرح انسان بھی کسی ایک دیوتا کی طرف جسے وہ افضل ترین سمجھتا ہے رجوع لاتا ہے۔ مگر اس عالم کے ابتدائی دور میں انسان کی حالت کچھ اور ہی تھی۔ جس کے باعث وہ اس اصول پر کاربند نہ رہ سکا۔ پس ایک دن اُس نے ایک دیوتا کی عبادت کی اور دوسرے دن دوسرے کی۔ اُن میں سے جو اُس کی نظر سے غائب ہوگیا وہ اُس کے دل سے بھی دور ہوگیا۔ اور جو اُس کی آنکھوں کے سامنے آگیا وہی اس کا رجوع مطلق بن گیا۔ اور اگرچہ وہ اسی طرح کرتا رہا۔ لیکن جب کبھی کوئی پرانا معبود اس سے دوچار ہوگیا۔

تو وہ پھر اس کی طرف رجوع لایا - وہ ایک معبود کو افضل ترین اُس وقت تک سمجھتا رہا جب تک کہ وہ اس کی عبادت میں مشغول رہا- گویا ایک ہی معبود یا معبود واحد کا خیال اس کے دل میں تھوڑی ہی دیر تک رہتا تھا - اور مختلف اوقات میں وہ مختلف معبود کا عابد رہتا چلا آیا - الغرض وہ اس خیال کو دل سے دور نہ کر سکا - اور اس طرح بہت سے معبودوں کی عبادت کو رواج ہو گیا ۔

پولی تھیزم کے کئی درجہ ہیں - انسان یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس پر اُن تمام دیوتاؤں کی عبادت فرض ہے جن پر وہ ایمان رکھتا ہے - اُسے کبھی ایک کی عبادت کرنی چاہئے اور کبھی دوسرے کی- یا وہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ ایمان تو بہت سے معبودوں پر رکھے مگر عبادت ایک ہی کی کرے - اور یہ خیال قدیم مذاہب میں اکثر پایا جاتا ہے - وہ بہت سے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر ایک وقت میں ایک ہی دیوتا کو تمام دیوتاؤں سے افضل و برتر سمجھا جاتا ہے - اس خیال کا نام مسٹر میکسمولر نے کیتھنوتھیزم رکھا ہے - یا انسان یہ بھی خیال کر سکتا ہے کہ وہ ایمان تو بہت سے دیوتاؤں پر رکھے - مگر عبادت ایک ہی کی کرے - اس خیال کا نام مسٹر میکسمولر نے ہینوتھیزم رکھا ہے مذکورہ باتوں سے ظاہر ہے کہ کیتھنوتھیزم اور ہینوتھیزم ایک صورت مونوتھیزم (وحدانیت یا ایک ہی خدا پر اعتقاد رکھنا) کی ہیں ۔

بڑی موجودات ایزدی کی پرستش میں ڈوالیزم بھی پایا جاتا ہے- اگرچہ اُن تمام مذاہب میں جن کی ابتدا موجودات ایزدی کی پرستش سے ہوئی ڈوالیزم نہیں پایا جاتا - تاہم اُن میں سے اُن میں ضرور پایا جاتا ہے جو ایسے ملک میں ظہور میں آئے ہیں جن میں مختلف قدرتی اشیا یا موجودات ایزدی کی تاثیر ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہے - اور

جن میں سے بعض اشیا کی تاثیر وطاقت جس قدر نفع بخش ہے اُسی قدر بعض کی نقصان دہ اگر اُن میں سے دونوں قسم کی تاثیر وطاقت مساوی درجہ رکھتی ہیں اور باری باری سے دونوں انسان کے دل پر اثر پیدا کر سکتی ہیں اور اُن میں سے ایک شے کی طاقت وتاثیر اس کے دل کو مایوس کر دیتی ہے تو دوسری اس مایوسی کو دور کر دیتی ہے تو دونوں میں سے ہر ایک ایک ہی سی سمجھی جاتی ہیں اور دونوں کی عبادت ہونے لگتی ہے۔ اور اسی کا نام ڈوالزم ہے۔

**چھوٹے معبودوں کی عبادت۔** بڑی بڑی موجودات ایزدی کی عبادت بھی ایک عالمگیر عبادت ہے۔ اُن کی پرستش ہر ملک کے لوگوں نے کی ہے۔ مگر اس بارہ میں اس میں اور چھوٹی چھوٹی موجودات کی عبادت میں ایک نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اُن کی عبادت مقامی تھی اور خاص خاص اشیا کی پرستش خاص خاص مقامات سے وابستہ رہی ہے۔ تاہم اس کا وجود تمام دنیا میں پایا جاتا ہے۔ جو ابتدائی زمانہ ہی میں وجود میں آگیا تھا۔ اُس کے آثار اُن ملکوں میں بھی اب تک پائے جاتے ہیں جن میں سے ابتدائی مذہب نیست ونابود ہو چکا ہے۔ اُس کی مختلف صورتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

**(۱) حیوانات کی عبادت۔** ابتدا میں انسان اپنے آپ کو حیوانات سے بڑی چالاکی اور طاقت کے اظہار کے ساتھ محفوظ رکھ سکا۔ وہ اُن کی تعظیم وتوقیر محض اُن صفات کے باعث کرنے لگا جن میں وہ اُس سے افضل و برتر تھے۔ مثلاً خرگوش کی تعظیم تیز رفتاری۔ لومڑی کی عیاری اور اُود بلاؤ کی ہنرمندی کے باعث کرنے لگا تھا۔ وہ کسی قسم کی مخلوق کے افراد کی عبادت نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس نوع یا جنس کی جس کے وہ سب افراد تھے۔ اور یہ عبادت بھی اُن کے ہاں ایک

جدِامجد کی ذات میں ہوکر جس سے کہ اُن کی نسل چلی تھی - اور جس میں وہ صفت جو اُس فرقہ کی خاص صفت یا خاصہ مانی جاتی تھی زیادہ تھی - اور ایسا ہوا کہ تمام دنیا میں انسان کے بعض فرقہ نے اپنے کو کسی ایک قسم کے حیوانوں کا رشتہ دار اور اُن کی نسل سے مان لیا - اور بعض نے کسی دوسری قسم کی نسل سے - اُسی کے نام پر اپنے فرقہ کا نام رکھا اسی کی عبادت کرنے لگا اُسی کو مقدس سمجھنے لگا - اور اُس کا گوشت کھانا ناروا جاننے لگا - اور اُسی شکل کو فرقہ کے سارے لوگوں نے اپنا نشان مقرر کرلیا - اس نشان کو انگریزی زبان میں ٹوٹم کہتے ہیں - اور جن لوگوں کے پاس یہ نشان ہوتا تھا وہ سب ایک ہی نسل سے اور بھائی بھائی سمجھے جاتے تھے - صرف اُنہیں کو اس خاص چیز کی عبادت میں شریک کیا جاتا تھا ٭

اس خیال یا عقیدے کا نام ٹوٹم ازم ہے - اس عقیدے کے لوگ اب تک ویسے تو تمام دنیا میں پائے جاتے ہیں - مگر خاص طور پر اور زیادہ تر شمالی امریکہ میں - مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر فرقہ اور قوم کے لوگ اس عقیدہ کو ایک زمانہ میں مان چکے ہیں - اس عقیدہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں جو تاریخ مذہب اور مذاہب کا مطالعہ کرنے میں ہم سے بار بار دوچار ہونگی - ایک یہ کہ ایک زمانہ میں قریباً تمام دنیا میں حیوانات کی پرستش ہوتی تھی اور جو فرقہ جس حیوان کی پرستش کرتا تھا اپنے کو اُس کے مقدس بزرگ کی اولاد سمجھتا تھا - دوسرے یہ کہ جتنے لوگ کسی خاص حیوان کی عبادت کرتے تھے وہ اپنے کو بھائی بھائی سمجھتے تھے - اگرچہ اس زمانہ میں بھی ایک ہی مذہب کے ماننے والے بھائی بھائی سمجھے جاتے ہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ ایک ہی سے مذہبی اصول کے پابند ہیں -

مگر قدیم زمانہ میں لوگ جو ایک ہی مذہب کے معتقد ہوتے تھے محض اس وجہ سے بھائی بھائی سمجھے جاتے تھے کہ وہ سب ایک ہی شخص کی اولاد مانے جاتے تھے۔ اور یہ شخص کوئی حیوان قرار دیا جاتا تھا+

**درختوں** وغیرہ کی عبادت۔ درختوں۔کنوئں اور پتھروں کی عبادت بھی ایک مذہب ہے۔ مگر مقامی نہ کہ عالمگیر۔ ابتدا میں انسان درختوں کو عجیب اور ذی روح مخلوق سمجھکر ان کی پرستش کرنے لگا۔ بعد میں وہ اسے ایک روح سے معمور ماننے لگا۔ اس کے بعد وہ درخت کا ایک دیوتا ماننے لگا۔ جو درخت کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا سکتا تھا۔ اسی طرح کنوؤں کی عبادت کا حال ہے پہلے خود کنوئیں پوجے جاتے تھے۔ مگر بعد میں وہ کسی دیوی سے معمور سمجھے جانے لگے۔ ان میں چیزیں بطور نذر کے ڈالی جانے لگیں۔ رفتہ رفتہ دریا اور جھیل بھی مقدس مانے گئے۔ پتھروں کی عبادت بھی اسی طرح ہونے لگی۔ پتھروں میں سے جن کو ابتدا میں انسان پوجنے لگا تھا دو کی بڑی شہرت ہوئی ہے۔ ایک سنگ اسود کی جو کعبہ میں ہے۔ دوسرے اس پتھر کی جو افسنس کے مقام ڈائینا دیوی کے مندر میں تھا+

درختوں۔ کنوؤں۔ جھیلوں اور پتھروں کی عبادت کسی خاص مقام اور خاص فرقہ کی عبادت تھی۔ اور جس جگہ ان کا وجود تھا اسی نواح کے لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اگر ان کو کسی دوسری جگہ جانا پڑتا تو گویا اپنے معبود کی سرزمین سے نکل کر دوسرے معبود کی سرزمین میں جانا پڑتا۔ اور چونکہ اپنے معبود کی عبادت دوسرے معبود کے ملک میں نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس لئے انسان کو یا تو مجبوراً دوسرے لوگوں کے معبودوں کی عبادت

کرنی پڑتی تھی یا اپنے مذہب کو خیرباد کہنا پڑتا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ٹوٹم ازم بھی ہمیشہ خالص نہیں رہا۔ اور جو انسان ان عقیدے کے پابند تھے وہ مذہب میں زیادہ ترقی نہیں کر سکے +

مُردوں کی ارواح کی عبادت۔ ابتدا ہی میں انسان اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ جسم کے فنا ہونے کے ساتھ روح فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے۔ جہاں وہ اسی قسم کے اشغال و افعال میں مبتلا ہو جاتی ہے جس قسم میں کہ اس دنیا اور پہلی حیات میں مبتلا تھی۔ وہ کھاتی پیتی۔ ہنستی کھیلتی۔ ناچتی گاتی اور دیگر کام بھی کرتی ہے۔ اسی خیال سے اُن کے جنازے کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں اور نیز دیگر چیزیں دفن کی جاتی تھیں اور روحوں کی برسیاں کی جاتی تھیں۔ اس عقیدے سے ارواح پرستی اور نیز تناسخ کی ابتدا ہوئی۔ مگر وحشی یا ابتدائی انسان نہ تو سزا و جزا کے قائل تھے اور نہ روح کے غیر فانی ہونے کے۔ اور نہ اس بات کے کہ حیات بعد الموت کے بعد روح کہاں رہتی ہے اُن کا مقام سکونت کسی کے ہاں کچھ تھا تو کسی کے ہاں کچھ۔ موت کے ساتھ روح کا تعلق اپنے معبود سے اور اپنے خاندان سے قطع ہو جاتا تھا۔ مگر وحشیوں کے بعض مذاہب میں سزا و جزا کا اور دوزخ و بہشت کا بھی خیال پایا جاتا ہے +

معبودوں کے متعلق جو باتیں اب تک بیان کی گئیں ابتدا ہی میں پیدا ہو گئیں اور آپس میں خلط ملط بھی ہو گئی تھیں۔ فیٹش معبود کی عبادت میں بڑے معبودوں کا اور بڑے معبودوں کی عبادت میں ارواح پرستی کا خیال ملا ہوا ہے۔ بڑے مذاہب کی ابتدا ان ہی عقیدوں سے ہوئی۔ اور ان ہی عقیدوں میں چند نئی باتوں کی

ایزادی کرکے یا اُن کی شکل بدل کر بڑے مذاہب ظہور میں لائے گئے۔

اگر مذہب مجموعی حیثیت سے ان ہی اجزا یا عقاید سے بنا ہے جن کا ذکر ہو چکا تو یہ کہنا بھی ناروانہ ہوگا کہ مذہب وہم کا نتیجہ ہے۔ کیا یہ وہم نہیں ہے کہ انسان نے موجودات ایزدی کو ذی روح سمجھ لیا اور اس سے حاجت روائی کے لئے التجائیں کرنے لگا۔ کیا یہ وہم نہیں ہے کہ غیر ذی روح اشیا بھی ذی روح سمجھی گئیں۔ کیا یہ وہم نہیں ہے کہ روح انسان کے جسم سے جدا ہو کر جہاں چاہے جا سکتی ہے۔ مگر یہ اوہام ظاہری اور نامناسب ہئیتیں تھیں جن کے اندر مذہب لپٹا ہوا تھا۔ مذہب اس علم و دانش کے مطابق جو کسی زمانہ میں موجود ہوتا ہے ظہور میں آتا ہے۔ اگر علم و دانش میں نقص ہو تو مذہب میں بھی نقص ہو جاتا ہے۔ مگر مذہب میں سوائے علم و دانش کے عقیدہ اور ربط و ضبط بھی شامل ہے۔ جب علم و دانش کا نقص معلوم ہو جاتا ہے تو مذہب خود بخود اُسے ترک کر کے کوئی نئی ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ابتدائی مذہب علم و دانش کی حیثیت سے بھی صرف وہم ہی کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ اس میں کچھ اور بات بھی شامل تھی۔ انسان میں ایک ایسی قوت ہے جس نے اُسے اُس شے کو جسے وہ اپنے اندر محسوس کرتا تھا اپنے باہر تلاش کرنے اور نیز اُس کی حقیقت و اصلیت کا اظہار کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اسی قوت نے انسان کو راہ راست پر قایم رکھا۔ اُس نے اُس شے کی عبادت اُس طرح نہیں کی جس طرح کہ وہ اس کی قوت باصرہ اور سامعہ سے دوچار ہوئی۔ بلکہ اُس طرح جس طرح کہ اُس نے اُسے تصور کر لیا تھا۔ اُس نے یہ خیال کیا کہ جس شے کی شہادت میرا باطنی ادراک دیتا ہے جو حواس کے ذریعے دریافت نہیں ہو سکتی ہے

جو میری مدد کر سکتی ہے۔ جس کے ساتھ میں ربط وضبط رکھ سکتا ہوں اور جس میں وہ طاقت ہے جو خود مجھ میں نہیں وہ میرے باہر موجود ہے۔ دراصل مذہب کا صحیح۔ اصلی۔ زندہ اور ترقی کن عنصر یہی خیال تھا۔

# ابتدائی دستورات

مذہب سے مراد وہ عقیدہ یا خیالات نہیں ہیں جو انسان معبود کی نسبت رکھتا ہے۔ بلکہ وہ مذہبی دستورات اور رسوم مراد ہیں جو اُسے ادا کرنی پڑتی ہیں۔ گویا عقیدہ کی نسبت دستورات ضروری اور لازمی ہیں۔ مزید برآں عبادت مذہب کا ایک ایسا جزو یا عنصر ہے۔ جو تمام زمانوں اور تمام ملکوں میں بہت آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے جب انسان کے عقیدے اور اس عقیدے کے متعلق خیالات میں ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے تو جس عبادت کا پہلے سے رواج ہوتا ہے خواہ وہ سادہ ہو اور خواہ پُر تکلف وہ اس وقت بھی بدستور سابق قائم رہتی ہے۔ گویا وہ ایک ایسی چیز ہے جس میں تبدیلی واقع ہی نہیں ہو سکتی اگر عام طور پر مذہب کی یہ حالت ہوتی ہے تو ابتدائی یا قدیم زمانہ میں بھی یہ حالت رہی ہو گی۔ مذہب جو کسی معبد سے تعلق رکھتا ہے اس میں قدیم زمانہ میں دو باتیں ہوتی تھیں۔ یعنی معبود کی بابت کوئی خاص قصہ۔ اور چند دستور یا رسوم جو معبود کی مورت کے نزدیک یا سامنے ادا کی جاتی تھیں۔ اور جب تک کوئی شخص اُن دستوروں میں شریک ہوتا یا اُن کو ادا کرتا رہتا تب تک نہ تو اُسے اُس قصہ پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا جاتا اور نہ اُس سے یہ دریافت کیا جاتا کہ اُس کا عقیدہ کیا ہے۔ اور تا وقتیکہ وہ مذہب

کے متعلق رائج الوقت خیال کی تردید یا مخالفت کھلم کھلا نہیں کرتا تھا وہ پابند مذہب سمجھا جاتا تھا۔ چاہے اُس کے پرائیوٹ خیالات کیسے ہی کیوں نہ ہوتے*

مذہبی دستور مشکل یا دقت طلب نہیں ہوتے تھے۔ اور نہ معبود یا دیوتا کے بت تک جانے کے لئے کوئی خاص قاعدہ یا دستور مقرر تھا۔ مذہبی دستور سے عام لوگ واقف ہوتے تھے۔ وہ کسی قانون کے ذریعے مقرر نہیں کئے جاتے تھے۔ کیونکہ قانون کا اُس زمانے میں وجود ہی نہیں تھا۔ بلکہ عام رواج اور عام رائے سے مقرر کئے جاتے تھے۔ مگر جس طریقہ میں کسی معبود کی خدمت۔ عبادت یا پرستش کی جاتی تھی اُس سے صرف وہی لوگ واقف ہوتے تھے جو اس کے چاروں طرف سکونت رکھتے تھے۔ اور رفتہ رفتہ ادائے دستور یا پرستش کرنے کا یہ طریقہ ایک راز بن گیا۔ جس کا صرف پوجاریوں یا ان کے مریدوں کو علم ہوتا تھا*

قربانی یا نذر۔ یہ ابتدائی مذہب کا ایک مستقل اور ضروری خاصہ ہے۔ جہاں کہیں بھی دیوتاؤں کی عبادت کی جاتی ہے وہاں اُن کو کسی نہ کسی قسم کے تحفے یا چڑھاوے چڑھائے یا نذریں گزرانی جاتی تھیں۔ اور اگر دیوتا سے تعلق قطع ہو یا کمزور ہو جاتا تھا تو اسی طریقہ میں اُس کی تجدید کی جاتی اور اُسے زور دار بنایا جاتا تھا۔ قربانی یا نذر اور عبادت یا پرستش یہ دونوں قدیم زمانہ میں ہم معنے باتیں تھیں۔ اور اُن کو مختلف طریقوں میں ادا کیا جاتا تھا۔ تاہم ہر ایک سے قربانی یا نذر کا منشا کسی نہ کسی شکل سے پورا ہوتا تھا۔ مختلف معبودوں یا دیوتاؤں کو مختلف چیزیں نذر دی جاتی تھیں۔ درختوں کی جڑوں میں پانی دیا جاتا تھا۔ شکار یا جو چیزیں جنگ میں فتح کی نشانی کے طور پر ہاتھ آتی

ہیں وہ درختوں کی شاخوں پر لٹکائی جاتی تھیں۔ سمندر میں گھوڑے
غرق کئے جاتے تھے۔ لیکن ابتدائی قربانی نذر میں صرف کھانے پینے
کی چیزیں ہی ہوتی تھیں۔ وہ خواہ کسی باغ کے پھل۔ خواہ کھیت کی
پیداوار۔ خواہ گلہ کے ننھے ننھے پہلوٹے بچے اور خواہ کوئی اور شے
ہوتی۔ خواہ اُن کو معبود کی مورت کے سامنے جلایا جاتا۔ یا رکھ دیا جاتا۔
مگر وہ ہوتی تھی اکل و شرب کی چیزوں میں سے کوئی چیز جب قربانی
کی کوئی چیز آگ میں جلائی جاتی ہے۔ یا جب کسی چیز کو اس غار میں
ڈالا جاتا ہے جو کسی معبود کی قربان گاہ سمجھی جاتی ہے تو خیال کیا جاتا
ہے کہ اُس چیز کو اُس معبود نے کھا لیا۔ لیکن بعض اوقات صرف
یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جو چیز قربانی کے طور پر چڑھائی جاتی ہے دیوتا
اُس کے جوہر یا روح ہی سے محظوظ و مسرور ہوتے ہیں۔ اور اُس کا
بقیہ جو فضلہ سمجھا جاتا ہے وہ انسان کے کام آتا ہے۔ دیوتا کو پوری
قربانی چڑھائی جاتی ہے۔ لیکن اُس کے پرستار اُسے کھاتے ہیں
دیوتا تک صرف اُس شے کا مزہ یا ذایقہ ہوا کے ذریعے پہنچ جاتا ہے۔

قربانی یا نذر کے ابتدا میں جو معنی لئے جاتے تھے اُن کا اظہار
مندرجہ ذیل باتوں یا التجاؤں سے جو عابد اپنے معبود سے کرتا تھا ہوتا
ہے۔ وہ یہ ہیں۔ "میں تجھے اس لئے نذر دیتا ہوں کہ تو مجھے کچھ
دیوے"۔ "میں تجھے مکھن نذر دیتا ہوں تو مجھے گائیں دے۔" "نذر
سے بادشاہ بھی مہربان ہو جاتے ہیں اور دیوتا بھی"۔ گویا نذر یا
قربانی حصول مطلب یا حصول عوض کے لئے دی جاتی تھی۔ اور
التجا کے ساتھ عابد کچھ نذر بھی لاتا تھا۔ تاکہ معبود کو التجا کے قبول کرنے
پر راضی کر سکے۔ اگر یہ بات تھی تو نذر یا قربانی ایک رشوت ہوئی
لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو وہ رشوت ہرگز نہیں ہو سکتی

کسی کو روپیہ دینا یا کسی کو دعوت دینا ان باتوں میں فرق ہے اور اگرچہ دونوں کے دینے کا منشا ایک ہی ہو۔ لیکن ایسی حالت میں بھی دونوں فریق یعنی عابد و معبود میں ایک قسم کے اخلاقی رشتہ یا تعلق کا وجود پایا جاتا ہے۔ ان میں ایک قسم کا میل جول اور ہمدردی پائی جاتی ہے۔ ان میں رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے یا خریدار اور بیچنے والے کا سا تعلق نہیں پایا جاتا ہے۔ بلکہ مربی اور آسامی یا باپ اور بیٹے کا سا رشتہ ہوتا ہے +

فرض کیا کہ ابتدا میں نذر جو کھانے پینے ہی کی چیزوں کی ہوتی تھی اور جو ایک باہمی تعلقات کا دستور تھی اس کی اصلی غرض کیا تھی؟ بعض باتوں سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی غرض دیوتاؤں کو تقویت دینا تھی تاکہ وہ اس بات کے کرنے کے قابل ہو جائیں جس کے کرنے کے لئے اُن سے التجا کی جاتی ہے اور ویدوں سے جا بجا اس بات کا اظہار ہوتا ہے۔ ابتدائی زمانہ میں لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا تھا کہ نہ صرف انسان ہی کو معبود کی ضرورت ہے۔ بلکہ معبود کو بھی انسان کی ضرورت ہے۔ جو اُس کی ہمت بڑھائے اور اُسے تقویت دے۔ اور ان نذروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کام دیوتا کرتے ہیں اُن سے انسان ہمدردی کرتا ہے۔ اور ان ہی کے سے کام کر کے اُن کے کاموں میں حصہ لیتا ہے۔ گویا اُن کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت قربانی یا نذر کا ابتدائی منشاء و مقصد یہ نہیں تھا۔ کیونکہ نذر میں جو باتیں ادا کی جاتی ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نہ صرف ایک ایسی چیز ہے جو معبود کو چڑھائی جاتی ہے۔ بلکہ ایک ایسی چیز ہے جس میں سے انسان بھی حصہ لیتا ہے۔ اگر وہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہے تو اُس میں سے عابد و معبود دونوں حصہ لیتے ہیں چین میں یہ دستور ہے کہ جب کسی خاندان میں کوئی دعوت دی جاتی ہے

تو مرے ہوئے بزرگوں کو بھی اس میں بلایا جاتا ہے۔ اُن کے لئے جگہ مقرر کی جاتی ہے۔ اور اس جگہ پر کھانے پینے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ ایلیڈ میں ایک مذہبی نذر کا حال لکھا ہوا ہے کہ دعا مانگنے کے بعد قربانی کے جانور ذبح کئے گئے۔ اُن کا گوشت پکایا گیا جسے عبادت کرنے والوں نے کھایا اور خوب شراب پی۔ اس کے بعد تمام دن لوگ دیوتا کی عبادت راگ اور باجے سے کرتے رہے جو انہیں سُن سُن کر محظوظ ہوتا رہا۔ بائیبل میں لکھا ہوا ہے کہ "دیوتا یا معبود کو خون کی دھار چڑھائی جاتی ہے۔ اور قربانی کے گوشت میں سے خاص خاص حصے معبود کے لئے مخصوص کر دئے جاتے اور باقی کو پوجاری کھا جاتے ہیں"۔ ابتدا میں عبرانیوں میں پوجاری نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ جو لوگ قربانی یا نذر کے موقع پر موجود ہوتے تھے وہی نذر گزراننے کے بعد نذر کی چیزوں کو کھا لیتے تھے اور بڑا جشن مناتے تھے جیسا کہ ۱۔سیموئیل ۹: ۱۲ و ۱۳ اور خروج ۲۴: ۵ و ۶ میں لکھا ہوا ہے۔ سامی قوم میں جو قربانی یا نذر دیوتاؤں کو دی جاتی تھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ قربانی عابد و معبود کے اتحاد اور میل کی ایک علامت تھی۔ جس میں نذر کی چیز سے دونوں حظ اُٹھاتے تھے۔ اگرچہ مختلف قوموں میں قربانی یا نذر چڑھانے کے طریقے جُدا جُدا ہیں۔ لیکن عام طور پر قربانی یا نذر نہ صرف ایک شخص گزرانتا تھا۔ بلکہ فرقہ کا فرقہ۔ اور جتنے لوگ اس فرقہ سے ہوتے تھے وہ سب اُس میں شریک ہوتے تھے۔ اور دیوتا جو اُن کا جد امجد سمجھا جاتا تھا وہ قربانی کے موقع پر موجود ہوتا تھا۔ بعض اوقات وہ جانور جو اس فرقہ کے جد امجد کی علامت سمجھا جاتا تھا ذبح کیا جاتا تھا اور اس کا گوشت سب شرکاء کھاتے تھے۔ اور اس طرح پر اپنے کو اُس فرقہ کا شریک بناتے اور بھائی بندی کے رشتے کو قوی کرتے تھے۔ قربانی یا نذر کے ذریعے ایک عہد و پیمان کیا

مانے جاتے تھے۔ جب انسان جنگلی حیوانوں کے ساتھ معرکہ آرائی اور جنگ وجدل کر رہا تھا تو وہ اُن کے مسکن کو خوف کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ عجیب وغریب خیال جس سے اس زمانہ کے لوگ آبادی سے دور اُفتادہ مقامات کو دیکھتے ہیں اسی شکل میں انسان سے دوچار ہوا تھا۔ اس کے بعد کنج اور دور افتادہ مقامات معبود یا دیوتا کا مسکن سمجھے جانے لگے۔ اس لئے اُن تک انسان بڑی احتیاط اور پیش بینی کے ساتھ پہنچ سکتا تھا +

پولینیشیا کی زبان میں ایک لفظ تابو پایا جاتا ہے۔ اُس سے مراد کوئی ایسی شے ہوتی ہے جو کسی دیوتا کی ہوتی ہے اور جسے انسان نہ ہاتھ لگا سکتا اور نہ استعمال کر سکتا ہے۔ پس جو زمین کسی معبود کی ہو اُس میں ہو کر انسان کو نہیں گزرنا چاہئے۔ اور جو کوئی اُس کا قایم مقام سمجھا جائے اُس کے ساتھ عزت و توقیر کا سلوک کرنا چاہئے۔ تابو کی یہ وہ مثالیں ہیں جن میں کوئی شے یا شخص ایک مہربان و شفیق دیوتا کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس کے علاوہ تابو سے تعلق رکھنے والی اور چیزیں بھی ہیں جو کسی بداندیش معبود کی سمجھی جاتی ہیں۔ اُس کے چاروں طرف اسی قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اور اُس کے لئے قدم قدم پر یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں کسی ایسی چیز کو نہ چھولے جس کا چھونا منع ہے اور ایسا کر کے اپنے اوپر مصیبت نازل نہ کرلے +

ابتدائی زمانہ کے معبود بُت پرستی سے جو اُن کے ساتھ منسوب کی جاتی ہے بالکل مبرا تھے۔ کیونکہ جو شے نظر آتی تھی اور جس کی خود اُس کے جسم میں عبادت کی جا سکتی تھی اُس کی شبیہ یا مورت بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جب آگے چل کر معبود یا دیوتا کو انسان قرار دیا اور عالم خیال میں اُس کے قدرتی پایہ سے اُسے علیحدہ سمجھ لیا

تو اُس کی شبیہ یا مورت بنانے کی بھی ضرورت پڑ گئی تا کہ اُس کا تصور باندھنے میں مدد مل سکے۔ جن پتھروں کی ابتدائی مذہب میں عبادت کی جاتی تھی وہ مورتیں نہیں ہیں۔ نہ وہ مصنوعی پتھر ہیں بلکہ قدرتی پتھر وہ کسی معبود کی شبیہ نہیں ہیں۔ بلکہ خود معبود ہیں یا کم از کم ایسی شے ہیں جن میں معبود سکونت رکھتا ہے یا تعلق۔ ابتدائی زمانہ میں کوئی پوجاری بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت قایم مقام کے ذریعے نذر یا قربانی کے دستوروں کا ادا کرنا خود نذر یا قربانی کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے جن مذہبی دستوروں کو کوئی شخص ادا کرنا چاہتا تھا اُن کو خود ہی ادا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تک اپنے ہاتھ سے نذریں چڑھاتے تھے۔ شاہ اگیمنن نے اپنے ہاتھ سے نذر چڑھائی۔ حضرت ابراہیمؑ اور ساؤل نے اپنے ہاتھ سے نذر گزرانی۔ حضرت داؤدؑ نے بھی ایسا ہی کیا کسی فرقہ کا بادشاہ یا سردار اپنے فرقہ کا سرغنہ ہونے کی حیثیت سے نذریں دیا کرتے تھے۔ چونکہ مذہب امورِ ملکی کا ایک بڑا جزو ہے اور کسی ملک کا سب سے پہلا کام اپنے معبودوں اور دیوتاؤں سے اتحاد و میل رکھنا تھا۔ اس لئے جو بادشاہ یا سردار ہوتا تھا وہی ایسے مواقع کے لئے سب کی طرف سے مناسب قایم مقام سمجھا جاتا تھا۔ مگر اُس وقت یہ رسم مقرر نہیں ہوئی تھی کہ نذر یا قربانی کسی شخص کے ہاتھوں سے چڑھوائی جانی چاہئے +

**سحر یا جادو**۔ اگرچہ معبودوں کی معمولی عبادت کے لئے کسی خاص فرقہ کی خدمات کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ مگر انسان کی جو حاجات اور ضروریات معمولی عبادت کی وسعت یا دسترس سے باہر ہوتی تھیں اُن کی خاطر لوگ ایسے آدمیوں سے امداد طلب کرتے تھے جن کا ذاتی جوہر جن کی قابلیت اور جن کا علم خاص قسم کا ہوتا تھا۔

پس ہر وحشی قوم کے مذہب میں کچھ رسوم جنھیں جادو یا سحر۔ یا جنتر یا منتر کہتے ہیں پائی جاتی تھیں۔ جن سے آیندہ واقعات کی پیشین گوئی کی جاتی یا اُن کو قابو میں کیا جاتا ہے۔ ابتدائی زمانہ کے انسانوں کو نہ تو قوانین قدرت کا علم ہوتا ہے۔ اور نہ وہ سبب اور نتیجہ کے مسئلہ سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ موجودات ایزدی اور واقعات کو مختلف طریقوں اور ذرایع سے متاثر کرنا چاہتے ہیں۔ پس وہ ارواح کو بعض طاقتوں کے ذریعے اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ یا جن اشیا کو وہ کسی خفیہ طاقت سے بہرہ ور سمجھتا ہے اُن سے وہ ایسے طریقے میں کام لیتا ہے جس سے اُس کو اپنی مطلب برآری کا یقین ہوتا ہے۔ اس لئے جادو یا سحر ارواح اور عارضی اشیا دونوں کی عبادت کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اور ہر فرقہ میں ایک خاص شخص ایسا ہوتا ہے جو جادو یا سحر کا ماہر و عامل سمجھا جاتا ہے۔ اکثر تو وہ فرقہ کا سرغنہ ..... ہی ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی اور شخص۔ اس سے لوگ خوف کھاتے ہیں۔ اس کا لوگوں پر بڑا دباؤ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ارواح سے تعلق رکھنے والا۔ اور جو کام وہ کرنا چاہے اُس کا کر سکنے والا سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ اُس کا ارواح پر زور و اختیار ہوتا ہے اس لئے اُن سے وہ جو کام کرانا چاہتا ہے کرا لیتا ہے۔ وہ مریضوں کو تندرست کر سکتا آیندہ واقعات کی پیشین گوئی کر سکتا۔ کسی شکل کی شے بدل سکتا۔ اور خود جس شکل میں جانا چاہے جا سکتا ہے۔ وہ نباتات کے خواص کا ماہر ہوتا ہے۔ اُس کے پاس پتھر یا اور چیزیں ہوتی ہیں جن میں خاص تاثیر یا طاقت ہوتی ہے۔ الغرض وہ ملہم مانا جاتا ہے۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اُس میں کوئی روح سکونت رکھتی ہے اور یہی روح عجیب و غریب کام جو اس شخص کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں کرتی ہے۔ وہ بغیر روح

کے کچھ بھی نہیں کرسکتا ہے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ جادو یا سحر ہر ابتدائی مذہب کا ایک ضروری خاصہ ہے +

تہوار۔ تہوار سے مراد وہ متبرک اوقات ہیں جب کہ انسان معبودوں کو نذریں یا قربانیاں گزرانتے تھے۔ ابتدا میں انسان کو تعین اوقات کا کچھ خیال نہیں تھا۔ بلکہ ہر بات حاجت یا خطرے کے اوپر منحصر تھی۔ اس لئے ابتدا میں تہواروں کا بھی وجود نہیں تھا۔ مگر رفتہ رفتہ وہ عالم ظہور میں آ گئے۔ جب انسان نے کاشتکاری کا پیشہ یا کام اختیار کیا تو اُسے موسموں کے وقوع یا بازگشت کی طرف بھی خیال کرنا پڑا۔ اور اُس نے روبیت ہلال کے ذریعے اوقات کو تعین کیا۔ اُس نے گرما اور سرما کے اعتدال۔ راس السرطان اور راس الجدی اور روبیت ہلال یہ اوقات خاص تہواروں کے لئے مقرر کئے۔ ان موقعوں پر کسی فرقہ کے لوگ ایک جگہ فراہم ہوکر اپنے معبودوں کو نذریں اور قربانیاں گزرانتے تھے۔ اگر ان اوقات کے درمیان کوئی ضرورت واقع ہوتی تو انسان منت مان لیتے تھے۔ دیوتا سے مدد تو اسی وقت لے لیتے تھے۔ مگر اس کے صلہ میں نذر یا قربانی مذکورہ بالا اوقات میں سے کسی ایک پر گزرانتے تھے +

مذکورہ بالا دستورون سے ظاہر ہے کہ ابتدائی زمانہ میں مذہب کسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا نہ کہ اُس کے افراد سے۔ ہر غیر معمولی واقعہ معبود کے سامنے پیش کیا جاتا۔ اُس کی بابت اُس کی رائے لی جاتی۔ فرقہ کا سرغنہ اپنے فرقہ اور اُس کے معبود میں سلوک قایم رکھنا اپنا فرض جانتا تھا۔ اور جس مدد کو اس کا فرقہ معبود سے طلب کرتا اُس کے لئے وہ معبود سے درخواست کرتا تھا۔ معبود کل فرقہ کا مالک۔ اور باپ مانا جاتا تھا۔ اور اُن کو چھوڑ کر کسی دوسرے فرقے کے پاس

نہیں جاتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ اُس کا ناخوش ہوکر کسی دوسرے فرقے کے پاس چلا جانا زمانہ مابعد کی اختراع ہے۔ تہواروں پر معبود کو نذریں اور قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں اور اُس جشن میں فرقہ کے کل لوگ شریک ہوکر کھاتے پیتے۔ گاتے ناچتے اور خوشی مناتے تھے۔

# قومی مذہب

قومی مذہب سے وہ مذہب مراد ہے جو کسی فرقے کا مذہب نہ ہو بلکہ ایک قوم کا جس میں بہت سے فرقے شامل ہوں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی ابتدا اُن مذاہب سے ہوئی ہے جو غیر تاریخی زمانہ ہی میں عالم ظہور میں آچکے تھے۔ لیکن اس خیال کی بنیاد کسی واضح ثبوت پر نہیں۔ بلکہ زیادہ تر قیاس پر مبنی ہے۔ بعض اوقات تو ایسے اسباب کا پتہ لگ جاتا ہے جن کے ذریعے فرقہ کا مذہب قوم کا مذہب بن گیا ہو۔ مگر جہاں کہیں ایسے اسباب کا پتہ نہیں لگتا وہاں بھی یہی قیاس کرلیا جاتا ہے۔

مذہب کی لوگوں نے کئی اقسام کی ہیں۔ جھوٹا مذہب اور سچا مذہب۔ مگر یہ تعریفیں بالکل نکمی ہیں۔ مذہب کی ایک اور درجہ بندی قدرتی مذہب اور الہامی مذہب ہے۔ "قدرتی مذہب وہ مذہب ہے جسے انسان کی عقل نے بلا امداد اعجاز یا کرامات کے حاصل کیا ہو"۔ مگر یہ تعریف کسی ایسے مذہب پر صادق نہیں آسکتی جو کسی بڑے ملک کا مذہب ہو۔ کیونکہ اصلی مذہب تو کہنہ روایات اور دستورات کا مجموعہ یا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور یہ تعریف کسی اصلی مذہب

پرواردہ نہیں کی جاسکتی - "الہامی مذہب وہ مذہب ہے جو انسان کو الہام یا القا کے ذریعے حاصل ہوا ہو"۔ لیکن یہ تعریف کسی خاص مذہب پر عاید نہیں آتی - کیونکہ دنیا میں بہت سے مذہب الہامی ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں - حالانکہ ان میں بہت کم ایسے ہیں جو الہامی ثابت ہو سکیں - اور سائنس یا علم سے تو شاید کوئی مذہب بمشکل الہامی ثابت ہو سکے +

مذہب کی ایک اور درجہ بندی قدرتی مذہب اور ایجادی مذہب ہے - ایجادی مذہب وہ ہے جسے کسی نے قایم کیا ہو اور جس کے قائم یا ایجاد کئے جانے کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہو - قدرتی مذہب وہ ہے جو قدرتی اسباب سے چپکے چپکے اور بلا علم انسان کے ظہور میں آگیا ہو - اور جس کے ظہور کا زمانہ قرار نہ دیا جا سکے - مگر یہ تعریف بھی کسی مذہب پر صادق نہیں آسکتی - کیونکہ بہت سے مذاہب میں ان دونوں مذہبوں کے خواص پائے جاتے ہیں +

فرقہ کے مذہب اور قوم کے مذہب میں یہ فرق ہے کہ فرقہ کے مذہب میں تکلف اور شایستگی نہیں ہوتی - مگر قوم کے مذہب میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں - اور انہیں کے باعث کوئی مذہب فرقہ کے مذہب سے قومی مذہب کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے +

**قومی مذہب کی ابتدا** - جب کئی وحشی فرقے خواہ کسی زبردست سرغنہ کے زور و طاقت سے یا کسی ضرورت کے باعث متحد ہو جاتے ہیں - تو وہ اپنی حفاظت کے لئے کوئی محفوظ و مضبوط مقام تلاش کرتے یا بنا لیتے ہیں - اور ان میں دستوروں کی جگہ قوانین کا عملدرآمد شروع ہوتا ہے - اور اسی کی رو سے لوگوں کو

اُن کی بے اعتدالیوں کی سزا دی جاتی ہے۔ ملک کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور علوم وفنون کی ترقی ہوتی ہے۔ اسی کا نام تہذیب کی ابتدا ہے +

جب کسی ملک میں تہذیب کو ترقی ہوتی ہے تو مذہب بھی ایک نئی صورت اختیار کرتا ہے۔ اگرچہ ہر فرقہ اپنے معبودوں کی عبادت کرتا ہے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد سب سے زبردست فرقہ کے معبودوں کی عبادت کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور سارے فرقے اُنہیں کو پوجنے لگتے ہیں۔ اور زیادہ تر اسی طرح قومی مذہب کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی مندرجہ ذیل تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں:۔

(۱) جس طرح مختلف فرقے کسی ایک سرغنہ کی طاقت کو برتر سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح رفتہ رفتہ وہ کسی زبردست فرقہ کے معبودوں کو بھی زبردست سمجھ کر اُن کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ اُس وقت عابد ومعبود کے درمیان سے ربط وضبط کا سلسلہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور مذہب زیادہ قابل توقیر ہو جاتا ہے +

(۲) قومی مذہب کی ابتدا کے ساتھ ساتھ سوشل اور اخلاقی باتوں کو بھی ترقی ہوتی ہے۔ فرقہ کے مذہب کی رو سے عابد ومعبود میں باپ اور بیٹے کا رشتہ ہوتا ہے۔ سب لوگ ایک معبود کی نسل سے اور بھائی بھائی سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کا مذہب اُسی فرقہ تک محدود ہوتا ہے۔ باقی فرقہ کے لوگ اُن کے دشمن ہوتے ہیں۔ اور اُن کا معبود اُن کے معبود کا دشمن۔ لیکن قومی مذہب کی رو سے عابد ومعبود میں یہ تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کی نسل میں صرف ایک ہی فرقہ کے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ باقی فرقوں کے لوگوں اور اُس معبود میں صرف فاتح ومفتوح یا حاکم ومحکوم کا رشتہ

ہوتا ہے۔ اور مختلف فرقوں کے لوگوں میں وہ رشتہ نہیں ہوتا جیسا کہ ایک ہی فرقہ کے لوگوں میں ہوتا ہے +

(۳) کسی قوم کا معبود فرقہ کے معبود سے افضل تر مانا جاتا ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص فرقہ سے نہیں بلکہ کل سے ہوتا ہے - اور وہ کسی قوم کے بادشاہ کی مانند ساری قوم کا فریاد رس اور حاجت روا مانا جاتا +

اگرچہ آگے چل کر اس مضمون (تاریخ مذہب) کے سلسلے میں بہت سی مثالیں ملینگی جن میں فرقہ کا مذہب قومی مذہب بن گیا ہوگا لیکن سر دست ہم صرف ایک پیش کرتے ہیں۔ اور وہ اِنکا مذہب ہے +

**اِنکا مذہب** - یہ مذہب نئی دنیا یا شمالی وجنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے اور خاص کر مکسیکو اور پیرو میں۔ اُس نے اُن ملکوں میں مختلف فرقوں کے مذاہب کو زیر کرکے خود غلبہ حاصل کر لیا اور ایک قومی مذہب بن گیا +

انگریزی زبان میں ایک کتاب ہے جس کا نام "رائل کمینٹریز آف دی انکاز" ہے۔ اسے انکا قوم کے ایک شخص "انکا گارسلا سوڈی لاویگا" نے سولھویں صدی عیسوی میں قلمبند کیا تھا۔ اُس سے اس مذہب کے حالات مفصل طور پر معلوم ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اِنکا قوم کے لوگ ایک شاہی خاندان سے تھے۔ وہ آفتاب کی عبادت کرتے تھے اور اسی کو اپنا جدِّ امجد سمجھتے تھے۔ اس آفتاب نے اُن کے کسی بزرگ کو دنیا میں انسان کو ان باتوں کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا جن کو اُن کو ضرورت تھی۔ پس جن قوموں کو اُس نے مختلف باتوں کی تعلیم دی اُنہوں نے آفتاب کو اپنا معبود قرار دیا +

انکا مذہب کے رواج سے پہلے ان ملکوں کے لوگ بہت سے معبودوں کو پوجتے تھے۔ ہر شہر۔ ہر قصبہ۔ ہر گاؤں۔ بلکہ ہر خاندان کا معبود جدا تھا۔ ان کے معبودوں میں نباتات۔ پھول۔ پہاڑ۔ چٹان۔ پتھر۔ اور تمام قسم کے حیوانات خواہ وہ نفع بخش تھے۔ خواہ نقصان وہ شامل اور داخل تھے۔ وہ چشموں۔ دریاؤں۔ زمین۔ سمندر وغیرہ کی بھی عبادت کرتے تھے۔ وہ معبودوں کو حیوانات اور زمین کی پیداوار اور نیز انسانوں کی قربانیاں اور نذریں چڑھاتے تھے۔ ان میں جادو۔ سحر۔ جنتر منتر وغیرہ کا بھی رواج تھا +

مگر اِن قوموں نے انکا کی نسل کے کہنے سے آفتاب کو اپنا دیوتا قرار دیا۔ اور سب مل کر اُسے سب سے بڑا اور سب سے زبردست معبود فریادرس۔ حاجت روا اور مددگار سمجھنے لگے۔ اگرچہ لوگ حسب دستور ابتدا میں اپنے اپنے دیوتاؤں یا معبودوں کی بھی عبادت کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ اُنھوں نے اُن کو ترک کر دیا۔ اور صرف آفتاب ہی کی عبادت کرنے لگے +

انکا مذہب کے ماننے والے ایک اور دیوتا کو بھی مانتے تھے۔ جسے وہ نچاکامک کہتے تھے یعنی "دنیا کی روح" جو ساری دنیا کو زندگی بخشتا تھا۔ اور اُن کو زندہ رکھتا تھا اُن کی مدد اور حاجت روائی کرتا تھا۔ مگر اس کا نہ کوئی معبد بنایا جاتا تھا۔ اور نہ اُسے کوئی نذر دی جاتی تھی۔ بلکہ اُسکی عبادت صرف دل ہی میں کی جاتی تھی۔ اور اسپین کے سیاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس مذہب کے ماننے والے اور اَور چیزوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سب سے افضل آفتاب کی عبادت کو قرار دیتے تھے +

# حصہ دویم

## دور افتادہ قومی مذاہب

## بابل اور اسوریہ کا مذہب

بابل اور اسوریہ والوں کے مذہب میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہے۔ گویا دونوں قوموں کا مذہب ایک ہی ہے اور چین اور مصر کے مذاہب سے بھی قدیم تر ہے۔ اُس کی ابتدا نہایت قدیم زمانہ میں ہوئی تھی اور وہ ایک دور افتادہ اور علیحدہ ملک میں آزادی اور خود مختاری کے ساتھ ترقی کرتا رہا جب ۳۷۵۰ قبل مسیح میں سامی قوم نے بابل کو فتح کیا تو بابل کے مذہب میں سامی مذہب کی کچھ باتیں شامل ہوگئیں۔ مگر باوجود اس کے بابل کے مذہب نے اپنی بہت سی اور خاص خاص باتوں کو اخیر تک قایم رکھا ؞

سامی مذہب کا میل ہونے کے بعد بابل کے مذہب کا اثر مغربی ایشیا میں اور یورپ کے ان سواحل پر جن میں غیر سامی اقوام آباد تھیں محسوس ہوا۔ قوم اسرائیل تو اس سے پہلے بھی بابل کے مذہب اور خیالات سے متاثر ہو چکی تھی۔ یونان میں بابل کے خیالات اہل فنکی کی معرفت پہنچے۔ مصر میں جو کل دیوتاؤں کا ایک مندر قایم کیا گیا۔ وہ بابل والوں ہی کے مندر کی تقلید میں قایم کیا گیا اور مسٹر لوکیر کی رائے ہے کہ اہل مصر نے مندروں کی تعمیر کے متعلق علم نجوم اہل بابل کے

ہاں سے لیا تھا اور حضرت مسیح سے کوئی ۵ ہزار سال پہلے۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بابل کا مذہب مصر کے مذہب سے قدیم تر ہے۔ اور وہ نہ صرف اُن تین مذاہب میں سے ایک مذہب ہے جو ایک دور اُفتادہ اور علیحدہ ملک کے مذاہب کہلاتے ہیں بلکہ اُن تینوں میں سے دو کا سرچشمہ ہے +

سامی قوم کی فتح سے پہلے بابل میں شمال میں اخاوئین اور جنوب میں سمرائی قوم آباد تھی۔ یہ اقوام سامی قوم کی نسل سے تھیں بلکہ تورانی قوم کی نسل سے تھیں۔ اُن میں علوم و فنون کا رواج تھا۔ اور اہل مصر کی سی ایک پیچیدہ تحریر میں رائج تھی۔ جب سامی قوم نے بابل کو فتح کر لیا تب بھی کئی ہزار سال تک یہ تحریر بابل والوں میں متبرک و مقدس تحریر کے طور پر جاری رہی۔ اہل بابل نقاشی میں بھی اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے +

اُنیسویں صدی سے پہلے جو حالات اہل بابل کے معلوم ہوئے وہ یونانی اور لاطینی مورخوں کی تصانیف سے معلوم ہوئے تھے۔ مگر انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں تحقیقاتوں کی بھرمار سے اس ملک کے متعلق ادر نئی باتیں ظہور میں آئیں۔ شہر بابل اور اسوریہ میں کئی جگہ محققوں نے زمین کو کھودا تو زمین کے نیچے کتبے وغیرہ نکلے اور اُن سے بہت سی عجیب و غریب باتیں ظہور میں آئیں اور اُن کتبوں سے آٹھویں صدی قبل مسیح تک کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جو کچھ حالات بھی دریافت ہوئے ہیں وہ اس قدر ناکافی ہیں (اور نیز اُن میں سے بعض شکوک سے مبرا نہیں) کہ اُن سے کوئی مستند تاریخ بابل یا اسوریہ کی تیار نہیں کی جا سکتی +

ارواح پرستی۔ چینیوں کی مانند اہل بابل کا بھی یہ عقیدہ تھا

کو دنیا میں ارواح بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔ وہ موجودات ایزدی کی ہر حرکت کو کسی روح کی حرکت مانتے تھے۔ اگرچہ ان ارواح کے خواص معلوم نہیں تھے۔ تاہم اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ بعض جادو اور منتروں میں اُن ارواح کو بس میں اور مطیع کر لینے کی تاثیر ہے۔ اہل بابل کا قدیم علم ادب زیادہ تر اسی قسم کے جنتروں منتروں سے بھرا ہوا ہے۔ مزید برآں ہر زمانہ میں نئے نئے منتر بنتے رہے تمام امراض دکھ۔ درد۔ اور تکالیف کا باعث اور پیدا کرنے والی یہی ارواح سمجھی جاتی تھیں۔ اور اس لئے جو شخص بیمار پڑتا وہ اپنے اوپر سے ارواح کو دور کرنے یا اُتارنے کے لئے کسی جادوگر یا منتر داں کو بلاتا تھا۔ بعض ارواح دیگر ارواح سے زیادہ طاقتور اور زیادہ اختیار والی سمجھی جاتی تھیں۔ اس لئے بڑی اور طاقتور ارواح سے استدعا کی جاتی تھی کہ وہ چھوٹی اور کمزور ارواح کو سزا دیں۔ آنکھ۔ سر۔ دل اور دیگر اعضائے جسمانی کی تکلیف اور مرض کا باعث ایک شیطان یا بدروح سمجھی جاتی تھی اس لئے آسمان اور زمین کی روح سے اس شیطان کے زیر کرنے کی درخواست اور التجا کی جاتی تھی۔ اس طریقہ کا نام شامانزم ہے اور اُسے مذہب کے نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اُس میں ارواح سے جو نظر نہیں آتی تھیں انسان کا کوئی دوستانہ تعلق یا رشتہ نہیں پایا جاتا تھا بلکہ اُس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ارواح سے خائف رہتا تھا +

**حیوانات پرستی**۔ علاوہ ارواح پرستی کے اہل بابل اور اسوریہ حیوانات کی بھی پرستش کرتے تھے اور یہ پرستش ابتدائی زمانہ ہی میں رائج ہو گئی تھی۔ مصریوں اور یونانیوں کے دیوتاؤں کی مانند اہل بابل کے دیوتاؤں کی علامتیں بھی حیوانات ہی تھے۔ اسوریہ

کے ایک دیوتا کا سرا اور شانہ کی کھال مچھلی کی سی تھی - بعض دیوئیوں اور دیوتاؤں کی شکل انسان کی سی تھی - اور ان کے بازو بھی تھے بعض دیوتا کی شکل بجار کی سی تھی - اس کے بازو تھے ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حیوانات کو دیوتاؤں کا مظاہر ماننے کی ابتدا بابل ہی سے ہوئی - اور اسی لئے اہل بابل بہت سے حیوانات کی پرستش کرنے لگے تھے +

بابل میں جن دیوتاؤں کی عبادت ہوتی تھی وہ مقامی اور خاص خاص دیوتاؤں کی خاص خاص جگہوں میں پرستش کی جاتی تھی - کیونکہ بابل میں بھی ہر فرقہ کا ٹوٹم ایک جانور ہی ہوتا تھا - اور یہ جانور یا حیوانات رفتہ رفتہ معبود یا دیوتا بن گئے - اور جو فرقہ جس حصہ ملک میں آباد تھا اسی میں اُس حیوان یا دیوتا کی عبادت ہونے لگی جسے وہ اپنا معبود برحق سمجھتا تھا - اگرچہ زمانہ مابعد میں کل دیوتاؤں کو ملا دینے اور ان کی مشترکہ عبادت کو رواج دینے اور اُن میں سے کسی خاص دیوتا کی عبادت کو باقی دیوتاؤں کی عبادت سے افضل و برتر قرار دینے کی کوشش کی گئی - مگر اس میں بالکل ناکامی رہی +

**بڑے معبود** - اہل بابل کے بڑے معبود اجسام فلکی اور عناصر سے تعلق رکھتے تھے - وہ سامی قوم کے دیوتاؤں کی مانند نہ آقا اور نہ خادم تھے - نہ خاوند تھے اور نہ باپ - بلکہ کل کائنات کے خالق مانے جاتے تھے - اور نہ ان دیوتاؤں کی کوئی بیوی تھی - مگر زمانہ مابعد میں جبکہ بابل میں سامی قوم کا رسوخ ہوا اور اُن کے خیالات پھیلنے شروع ہوئے تو دیوتاؤں کی بیویاں بھی مانی جانے لگیں +

چونکہ اہل بابل اور اسوریہ کے بڑے دیوتا یا معبود بہت سے ہیں - اُن کے نام اور خواص عجیب و غریب ہیں - اس لئے اُن کو بخوف طوالت

اور غیر ضروری ہونے کے باعث اس موقع پر مختصر الفاظ میں بیان کیا جائیگا ان کا مفصل اور جامع بیان کتاب اہل بابل کے علم الاصنام میں آچکا ہے جو پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور سے قیمتاً مل سکتی ہے۔ جو صاحب چاہیں اس میں ملاحظہ فرمائیں +

سب سے پُرانا دیوتا ای آ ہے جس کا مندر اریدو میں تھا۔ وہ سمندر کا دیوتا تھا۔ مگر زمانہ مابعد کے قصص میں اُس کا نام اوآنس رکھا گیا اور اُس کا نصف جسم مچھلی کا اور نصف انسان کا قرار دیا گیا۔ اور یہ تسلیم کیا گیا کہ وہ سمندر میں سے پیدا ہوا تھا۔ اُس نے بنی انسان کو علوم و فنون کی تعلیم دی تھی + آنا۔ یہ آسمان کا دیوتا تھا اس کا مندر اریخ میں تھا جو دریائے فرات پر واقع تھا۔ اہل بابل آسمان کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ اور جب طوفان نوح آیا۔ تو کل دیوتاؤں نے آسمان ہی میں پناہ لی تھی۔ مگر زمانہ مابعد میں یہ دیوتا تمام دیوتاؤں اور مخلوق سے افضل اور آسمان سے بھی بالاتر سمجھا جانے لگا۔ تیسرا دیوتا بعل تھا جس کا مندر نیپور میں واقع تھا۔ وہ پاتال کا دیوتا تھا +

ان دیوتاؤں کے حالات سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ ابتدا میں بابل میں تین بڑے دیوتا ملنے جاتے تھے وہ سمندر۔ آسمان اور زمین کے دیوتا تھے مگر اُن سے ترموری نہیں بنتی تھی۔ کیونکہ ان کے معبد تین مختلف جگہوں میں تھے۔ البتہ ترموری کے تین دیوتا یہ ہیں۔ ای آ اُس کی بیوی دوکنیا۔ ان دونوں کا بیٹا تموز جو آفتاب کا دیوتا تھا۔ سرگل میں خاص اور بڑا دیوتا سادل تھا جو آگ کا دیوتا مانا جاتا تھا۔ کوتھا میں موت کے دیوتا نیرگل کی عبادت کی جاتی تھی۔ زمون ہوا کا دیوتا تھا۔ ماتو طوفان کا دیوتا تھا۔ مزید برآں اہل بابل ایک عفریت تیمات نامی کو بھی مانتے تھے جس کے ساتھ تمام بڑے دیوتا جنگ وجدل کرتے رہتے تھے +

سرزمین بابل میں آفتاب اور ماہتاب دونوں کی پرستش کی

جاتی تھی اور ہر شہر میں دونوں کا دیوتا علیحدہ علیحدہ ہوتا تھا۔ خانہ بدوش لوگ ماہتاب کو کل کائنات کا خالق اور آفتاب کے دیوتا کا باپ سمجھتے تھے۔ اُور میں ماہتاب کا دیوتا سب سے بڑا معبود مانا جاتا تھا۔ لارسہ اور سپارہ میں آفتاب کا دیوتا سب سے بڑا معبود سمجھا جاتا تھا۔ اور زمانہ مابعد کے بہت سے بڑے معبود آفتاب ہی کے دیوتا تھے۔ اہل خالدیہ ستاروں کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے لئے ہر مندر میں ایک رصدگاہ بنائی جاتی تھی۔ ان رصدگاہوں کے باعث اہل خالدیہ اور بابل نے علم ہیئت کے متعلق بہت سی مفید باتیں دریافت کر لی تھیں اُنہوں نے قبل مسیح اُس دور میں جو ایک ہزار سال کا پانچواں دور سمجھا جاتا ہے بہت سے بروج اور ستارے معلوم کر لئے تھے۔

**علم الاصنام**۔ علم الاصنام جو قصص اور افسانوں کا مجموعہ ہے۔ نہایت دلکش و دلچسپ چیز ہے اُن میں سے صرف دو قصص مختصر الفاظ میں ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ ایک تموز کا افسانہ۔ تموز کی عبادت عورتیں کرتی ہیں وہ اُس کا نوحہ بھی کرتی ہیں۔ وہ موسم بہار کے آفتاب کا دیوتا مانا جاتا ہے اور موسم گرما کی گرمی سے ہلاک ہو جاتا ہے اور جب سردی شروع ہو جاتی ہے تو پھر پیدا ہوتا ہے۔ اس کا وطن عدن میں ہے۔ جہاں کہ ایک درخت پیدا ہوتا ہے۔ اسے محبت کا درخت کہتے ہیں۔ اور سآئی آموسم بہار کے چشموں سے اس درخت کو شاداب کرتی ہے۔ وہ دراصل دیودار کا درخت ہے۔ اُس کے دونوں طرف فرشتوں کی صورتیں لگی ہوئی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں پھل ہوتا ہے۔ علماء اس درخت میں زندگی کے درخت اور علم و ادراک کے درخت گویا دونوں کو مانتے ہیں۔ دوسرا قصہ آستر کا ہے جو بابل والوں کی نہایت مشہور دیوی ہے وہ اصل میں آفتاب کے دیوتا کی ماں اور بہن دونوں تھی۔ وہ زمین کی دیوی تھی۔ وہ

پاتال میں آبحیات کی تلاش میں گئی جسے حاصل کرکے وہ تموز کو پھر زندہ کر سکے پاتال میں پاتال کی دیوی علات کے حکم سے اُسکے جسم پر سے پوشاک اور زیورات اتار لئے گئے اور نامتر نے اُسکے جسم پر طرح طرح کے امراض پیدا کر دئے۔ اُسکی غیر حاضری میں دنیا میں انسانوں اور حیوانوں میں سے محبت اُٹھ گئی اس لئے اِی آ نے پاتال میں علات کے پاس ایک پیغامبر آستر کی رہائی کے لئے بھیجا۔ جب وہ پاتال سے واپس آئی تو اُس نے دنیا میں امن قایم کر دیا۔ یہ دیوی آستر بہت سی صورتوں اور خواصوں کے ساتھ مختلف شہروں میں مانی جاتی تھی وہ شام کا ستارہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ محبت کی دیوی مانی جاتی تھی۔ وہ زرخیزی کی دیوی مانی جاتی تھی۔ وہ جنگ وجدل کی دیوی بھی سمجھی جاتی تھی۔

پیدائش عالم کے متعلق جو روایات اور قصص بابل میں رایج تھے وہ آستر کے قصے سے زیادہ پرانے اور قدیم تھے۔ ایک روایت کے مطابق اِی آ نے خاؤس کو عجیب وغریب شکل کے عفریتوں سے آباد کیا تھا۔ ایک دوسری روایت میں دنیا اور دیوتاؤں دونوں کی پیدائش کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ خاؤس ایک عفریتنی تھی اور بڑی بُری مخلوق تھی۔ دیوتاؤں کو اس سے اس لئے جنگ وجدل کرنی پڑی کہ آباد دنیا اور روشنی کو اُس کی مملکت سے جو زمین کے نیچے اور تاریکی میں تھی نکال کر لے آئیں۔ لیکن اہل بابل کے قصص جو پیدائش عالم کے متعلق ہیں وہ کچھ واہیات اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اور وہ اُن حالات سے نہیں ملتے جو کتاب پیدائش میں درج ہیں۔ البتہ طوفان نوح کے حالات اُن حالات سے ضرور مشابہ ہیں جو بائبل شریف میں درج ہیں۔ مگر ابھی تک اُسکا فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ کہ اُن میں سے کون سے قدیم تر ہیں۔

**قومی یا ملکی مذہب** ۔ اہل بابل اور اسوریہ کے مذاہب جس کا ذکر بائبل شریف میں آیا ہے۔ وہ بڑی سلطنتوں کے مذاہب ہیں۔

اور پوجاریوں اور عالموں کے باعث اُن میں پاکیزگی زیادہ آگئی تھی۔ اُن کے تزک و احتشام کا ثبوت مقبروں اور یادگاروں سے ہے بعل مرودک کا مندر دنیا کے عجائبات میں سے تھا مرودک بابل خاص کا معبود ہونے کے باعث بادشاہوں کا حامی اور سرپرست مانا جاتا تھا۔ اس کا بیٹا نبو عقلمندی کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح اسوریہ میں سب سے زیادہ وقعت والا دیوتا اسور تھا۔ اور اس بات کا ثبوت کہ جب مذہب بظاہری شکل وصورت اور شان وشوکت میں ترقی کرتا ہے۔ تو طاقت و اختیار میں بھی ترقی کر جاتا ہے۔ اہل بابل اور اسوریہ کے مذاہب سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ دیوتا اخلاقی حالت سے بنی انسان کے حامی اور مددگار سمجھے جاتے تھے۔ مرودک رحمت کا دیوتا مانا جاتا تھا۔ وہ نہ صرف جنگ میں بادشاہوں کی امداد کرتا تھا بلکہ بیماروں کو صحت بخشتا تھا۔ وہ اُن لوگوں پر جو اپنے قصوروں پر نادم ہوتے اور اشک بہاتے۔ رحم کرتے۔ وہ کسی شخص کو پھر زندہ کر سکتا اور اس کی روح کو ایک راحت اور آرام کی مسکن میں لے جاتا تھا۔

بابل اور اسوریہ کے مذاہب کا حال ہمیں اب تک بہت ہی کم معلوم ہوا ہے۔ مگر جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے اُس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ زمانہ مابعد میں ان ملکوں میں سامی مذہب کو رواج ہوا۔ لیکن اس کے باعث قدیم مذہب کی نہ وقعت کم ہو سکی اور نہ اس کا خاتمہ ہو سکا۔ اگرچہ نبیو نیدس نے تمام دیوتاؤں کا ایک نظام قایم کرنا اور مرودک کو اُن کا افسر مقرر کرنا چاہا۔ مگر اس سے بڑے جھگڑے پیدا ہوئے۔ اس لئے معبودوں کی عبادت بدستور سابق ہوتی رہی اور نہ ان کے ناموں۔ نہ خواصوں اور نہ کسی اور بات میں فرق آسکا۔

# چین کے مذاہب

چینی ہمیشہ دیگر اقوام سے الگ تھلگ رہے ہیں - ان کی دُنیا ہی نرالی رہی ہے - تاہم اُنہوں نے تہذیب وشائستگی میں بہت کچھ ترقی کرلی تھی - اُنہوں نے بارود ایجاد کی - اور کاغذ بنانے کا فن جاری کیا - چھاپہ کے ہنر کے موجد بھی اہل چین ہی ہیں - مگر ان کے علوم و فنون اور تہذیب وشائستگی کا دیگر اقوام پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا - اُن کی باتیں سرزمین چین ہی تک محدود رہیں - اس سے باہر نہیں گئیں - ان کی دماغی قوائے نے ان کو غیر اقوام کے ساتھ تبادلہ خیالات کی اجازت نہ دی وہ منگولین قوم کی نسل سے ہیں - اگرچہ وہ عملی باتوں میں نہایت محتاط یحتیتی اور نقل اُتارنے والے ہیں - لیکن ان کو نہ تو فلسفہ سے کوئی اُنس ہے اور نہ ان باتوں سے جن کا تعلق قوت متخیلہ سے ہے - ان کی زبان کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ شاعرانہ خیالات اور باریک باتوں کے اظہار کرنے کے لئے کافی نہیں ہے +

چین میں فی زمانہ تین مذہب جاری ہیں اور تینوں ملکی اور قومی مذہب ہیں - وہ تینوں مذہب یہ ہیں - حکیم کنفوشش کا مذہب حکیم طاؤ صاحب - بدھ مذہب - ان میں سے پہلا مذہب زیادہ زوردار ہے - کیونکہ وہ خود چینیوں کا مذہب ہے - اور اُن مذاہب اور خیالات کا مجموعہ ہے - جو قدیم چینیوں کے دماغ سے نکلے تھے - برعکس اس کے بدھ مذہب غیر ملک سے چین میں گیا تھا - اور حکیم طاؤ کا مذہب فلسفیانہ تھا - اس لئے سرزمین چین میں ان دونوں مذاہب کی کایا پلٹ ہوگئی +

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چینی ایک نہایت قدیم زمانہ میں

مغرب سے آکر چین میں آباد ہوئے تھے۔ اُن کی تاریخ کی ابتدا کوئی دو ہزار سال قبل مسیح میں ہوتی ہے۔ حالانکہ ان میں تحریر کا رواج اس سے بھی ایک ہزار سال پہلے ہو گیا تھا زمانہ حال کی تحقیقاتوں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ چینیوں کی تہذیب و شائستگی کا دارمدار ملک سپتامیہ کی تہذیب و شائستگی پر ہے کیونکہ انکے مذہب کی بہت سی باتیں اہل سپتامیہ کے مذہب سے ملتی ہوئی ہیں۔ جب کسی قوم کی تاریخ شروع ہوتی ہے تو اس سے پہلے ہی اس قوم کے عادات اطوار و فضائل اور دیگر باتیں ایک مستند و مستقل صورت میں آجاتی ہیں۔ مگر جن اسباب کے باعث یہ باتیں تشکل ہوتی ہیں ان کا پتہ لگنا ذرا دشوار ہے۔ چین کے ابتدائی حکمران نہایت نیک طینت۔ پاکباز فنون کے موجد و حامی اور عمدہ باتوں کو رواج دینے والے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کی حالت خراب ہوگئی۔ بارہویں صدی قبل مسیح میں چین میں چو خاندان نے زور پکڑا اور اس خاندان میں چند لایق اور فیض رساں حکمران گذرے ہیں۔ مگر اس خاندان کو بھی زوال ہو گیا۔ اور ملک میں بہت سے فرمانروا پیدا ہو گئے اور فیوڈل حکومتیں قائم ہو گئیں۔ سنٹرل گورنمنٹ بالکل ہی کمزور ہو گئیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں کنفوشش نے ان مختلف حکومتوں کی سیاحت کی۔ اور تیسری صدی قبل مسیح میں چو خاندان جو نہایت کمزور ہو گیا تھا اس کی جگہ شن خاندان نے لے لی۔ اس خاندان میں شی ہوانگ تی ایک بڑا زبردست فرمانروا گذرا ہے۔ اس نے عالمگیر بادشاہ کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس نے جاگیرداری بعوض خدمات فوجی کا سلسلہ کل ملک سے اٹھا دیا۔ چین کے بدخواہوں کو ملک بدر کر دیا۔ اور چین کی بڑی دیوار کی تعمیر شروع کی۔ مگر اس خانداں کی جگہ ہان خاندان نے ۲۰۶ قبل مسیح میں لے لی۔ اور ملک کے قدیم علم ادب

کو پھر رواج دیا۔ اور اصلی باتوں کو ملک میں رواج دینے کی کوشش کی۔ ان پرانی کتاب کے رواج سے چین کے قدیم مذہب کا علم دنیا میں پھر رائج ہوگیا۔ ان کتابوں کو مرتب یا جمع کرنے والا کنفوشش سمجھا جاتا ہے۔ وہ بہت سی کتابوں کا لکھنے والا بھی مانا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ الہامی نہیں مانی جاتیں تاہم اس وجہ سے قابل قدر اور قابل توقیر سمجھی جاتی ہیں کہ قدیم زمانہ سے چلی آتی ہیں اور عقلمندوں کے دماغ کا نتیجہ ہیں اور ان کتابوں کو امرا کے طبقہ کے لوگ پڑھتے تھے۔ اور اب بھی پڑھتے ہیں +

چین کے مستند علم ادب میں نو کتابیں ہیں جس میں سے پانچ کتابوں کو کنفوشش نے مرتب کیا تھا۔ اور باقی چار کو اس کے شاگردوں یا اس کے مدرسے کے ایک مدرس منشش نامی نے مرتب کیا پہلی پانچ کتابیں زیادہ مقدس و متبرک مانی جاتی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) ایبہ کنگ یا تفسیرات کی کتاب۔ یہ کتاب ان فرمانرواؤں کی تصنیف ہے جو بارہویں صدی قبل مسیح میں گذرے تھے۔ چونکہ اس کا مطلب کم تر سمجھ میں آتا ہے۔ اس لئے وہ زیادہ مقدس سمجھی جاتی ہے۔ (۲) شوکنگ (تاریخ کی کتاب) اس میں ان فرمانرواؤں کی تقریریں اور خطوط درج ہیں جو چوبیسویں سے آٹھویں صدی قبل مسیح میں گذرے تھے (۳) شی کنگ (اشعار کی کتاب) اس کتاب میں ۳۰۰ گیت ہیں جن کو کنفوشش نے کوئی تین ہزار گیتوں میں سے منتخب کیا تھا۔ (۴) لی کی (رسوم و رواج کی کتاب) اس کتاب کو شاہزادہ چو نے تصنیف کیا تھا۔ اور بارہویں صدی قبل مسیح میں اس میں چین کے قدیم ملکی مذہب کا ذکر ہے۔ اُس میں علاوہ مذہبی

رسوم کے سوشل اور خانگی فرایض کے متعلق بھی اِشال درج ہیں۔ وہ آج تک چینیوں کا دستور العمل بنی ہوئی ہے (۵) چن لیو (موسم خزاں وموسم بہار کے حالات) اس میں صوبہ لُو کی تاریخ درج ہے۔ یہ ایک نہایت خشک عبارت میں لکھی گئی ہے۔ علاوہ ان پانچوں کے بعض اوقات ایک اور چھٹی کتاب ہیسیاؤ کنگ یا فرزندی محبت کا مکالمہ درج ہے جو کنفوشش اور اس کے ایک شاگرد کے درمیان واقع ہوا تھا۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ کنفوشش نے ان کتابوں میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ مگر بعض کی یہ رائے ہے کہ اُس نے بہت کچھ ترمیم کی۔ اور جو باتیں اسے مفید نہیں معلوم دیں اُن کو اُس نے ان میں سے خارج کر دیا۔ مگر جو باتیں ان کتابوں میں چین کے قدیم مذہب کی بابت درج ہیں وہ بلکہ صحیح اور درست ہیں۔ اور اس میں شبہ کو مطلق گنجایش نہیں ہے کہ ان کتابوں میں جو باتیں کنفوشش کو عمدہ معلوم دیں اور جن کو اس نے بعد میں چین میں ازسرِنو رواج دیا وہ قدیم مذہب کی ضروری اور خاص باتیں تھیں۔

باقی چار کتابیں یہ تھیں:۔

(۱) نس یُو یا اُستاد کی گفتگو۔ اس کتاب سے جس کو کنفوشش کے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں نے تصنیف کیا تھا کنفوشش کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ (۲) تا ہیو یا علم عظیم (۳) چنگ ینگ عرف چھوٹی چھوٹی امثال (۴) منگ تسزی اس میں مینشش کی تعلیمات درج ہیں۔

**قدیم چین کا ملکی مذہب۔** کنفوشش نے چین کے مذہبی دستور اور رسوم میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ چین کا مذہب جیسا کہ اُس کی

پیدایش سے پیشتر تھا ویسا ہی اب بھی ہے۔اگرچہ اس میں کنفوشش کی پرستش داخل کرلی گئی ہے۔ مگر اس سے اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔جس زمانہ میں وہ ہم سے دوچار ہوتا ہے وہ اسی میں خوب نشوونما پاچکا۔ اور وحشیانہ رسوم کو خیرباد کہہ چکا تھا۔اس میں کوئی علم الاصنام نہیں پایا جاتا اگرچہ اس میں زمین وآسمان کی شادی کا قصہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ مگر دیوتاؤں کے بارہ میں کوئی قصص نہیں پائے جاتے۔انسانی قربانی کی اسمیں صرف ایک نظیر ملتی ہے۔ اسمیں ہر شے شاندار مناسب اور ترتیب سے پائی جاتی ہے۔اس کے معبود پرستش کرنے کے قابل ہیں۔وہ عابدوں سے کوئی لغو یا بے معنی خدمت کے طالب نہیں ہیں۔ اور نہ اسمیں کوئی ایسی بات ہے جس سے عابد کے دل میں کوئی شک پیدا ہوسکے ✚

برعکس ان باتوں کے وہ ایک اعلیٰ نشوونما یافتہ مذہب نہیں ہے۔اس کے اعتقادات نہایت قدیم زمانہ کے ہیں۔ اسمیں نہ کوئی مورت ہے۔ اور نہ پوجاریوں کا کوئی فرقہ۔ نہ کوئی دینیات ہے اور نہ کوئی کتاب مقدس۔نہایت ضروری مسایل کچھ ایسے ہیں کہ علماء ان کے معنے برعکس بیان کرتے ہیں صرف ظاہری رسوم ہی سب کچھ ہیں اور اصلی مسایل کچھ بھی نہیں۔ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ اسکی ترقی ابتدائی زمانہ ہی میں رک گئی تھی۔اس سے کچھ ایسے اسباب کا سراغ لگتا ہے کہ جب اس مذہب نے نشوونما پالیا تو انہوں نے پرانے عقاید اور رسوم کو مٹا دیا۔ اور قوم کو ایک نئے عقیدے کے ماننے پر آمادہ کردیا۔ اور ایک ایسا مذہب اس وقت نہ تو وجود میں آیا ہوگا۔اور نہ اس نے پرانے عقاید اور دستورات کو مٹایا ہوگا اور نہ اتنی مدت تک قایم رہ سکا ہوگا۔جب تک کہ اس نے لوگوں کے سامنے اپنے تئیں نہایت قابل اطمینان طریقہ میں نہ ظاہر کیا ہوگا ✚

## کن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے۔چینیوں کے مذہب

ین شروع سے لے کر اب تک ان تین چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے (۱) آسمان۔ (۲) علاوہ انسان کی روح کے ہر قسم کی ارواح۔ (۳) مردہ بزرگوں کی ارواح۔

(۱) **آسمان** ۔ یہ چینیوں کا خاص اور سب سے بڑا معبود ہے۔ وہ طوفان یا آندھی پانی والا آسمان نہیں ہے بلکہ خالص آسمان جو نیلگوں لباس میں نظر آتا ہے وہ ذی روح ہے وہ کوئی جدا روح نہیں بلکہ خود زندہ آسمان ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ وہ سب کے اوپر ہے۔ سب کو جانتا ہے اور سب پر حکمرانی کرتا ہے۔ ابتدا میں تو چینی ایک فرمانروا یا آسمان کی عبادت کرتے تھے۔ مگر بعد میں ایک مادی آسمان کی پرستش کرنے لگے اس معبود کا نام آسمان۔ عالم بالا اور حاکم اعلےٰ بلاتمیز یا فرق کے رکھا گیا ہے۔ آسمان موسموں پر حکمرانی کرتا ہے۔ ہمارے افعال کو دیکھتا ہے اور اپنی مرضی کو قدرتی طریقہ میں ظاہر کرتا ہے نہ کہ الہام یا معجزے کے ذریعے۔ وہ بولتا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اظہار واقعات سے ہوتا ہے۔ اور جب بارش نہیں ہوتی۔ یا خشک سالی ہوتی ہے تو سمجھنا چاہئیے کہ آسمان زمین کے رہنے والوں سے ناخوش ہے۔ اس وقت بادشاہ وقت کو اُسے نذر دینی چاہئیے۔

(۲) **ارواح** ۔ ہر قدرتی شے کی ایک روح مانی جاتی ہے۔ آفتاب ماہتاب۔ سیارے۔ ستارے۔ بادل۔ مینہ۔ ہوا۔ پہاڑ۔ دریا وغیرہ وغیرہ کی روح مانی جاتی ہے۔ مگر یہ سب روحیں بری نہیں بلکہ نیک ہیں ان میں سے کسی روح کی علیحدہ پرستش نہیں کی جاتی۔ بلکہ سبھوں کی مجموعی طور پر۔ صرف بادشاہ زمین کی روح کی عبادت علیحدہ کرسکتا ہے جو لوگ ارواح کو نذریں دیتے ارواح اُن کی مدد کرتی ہیں۔

**بزرگوں کی ارواح** چینیوں کا عقیدہ ہے کہ روح غیر فانی ہے۔

اس لئے وہ مردہ کی روح کو پھر اپنے جسم میں واپس آنے کے لئے دعوت دیتے ہیں۔ وہ شخص فنا کے قائل نہیں ہیں۔ اور روح کا غیر فانی ہونا نہ کسی خاص شخص کی ذات سے تعلق رکھنے والے سمجھا جاتا ہے بلکہ کل خاندان کی ذات سے۔ چونکہ چینی آیندہ کی سزا وجزا کے قائل نہیں ہیں۔ اس لئے ان میں دوزخ وبہشت کا بھی وجود نہیں ہے ہر خاندان کے مردے اپنے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ہر خاندان میں اُن کے لئے ایک خاص کمرہ مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ اور جب ان سے مناسب طور پر التجا کی جاتی ہے تو وہ اس مکان میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اور ہر خوشی یا تیوہار پر ان کو مدعو کیا جاتا ہے اور جو چیزیں ایسے موقع پر تیار کی جاتی ہیں ان کو زندہ اور مردے دونوں مل کر کھاتے ہیں چینی نہ صرف خاندانی بزرگوں ہی کی عبادت کرتے ہیں بلکہ منصبی بزرگوں کی بھی ہر بادشاہ اپنے سے پہلے بادشاہوں اور ہر حاکم اپنے سے پہلے حاکموں کو نذر دیتا اور ان سے التجا کرتا ہے خوشی یا جشن کے موقعہ پر نذریں مردوں کو منانے کے لئے نہیں بلکہ شکرانہ اور اظہار اطاعت کے طور پر دیجاتی ہیں اور اُن کے ساتھ جو درخواستیں کی جاتی ہیں وہ دنیوی فواید کی ترقی کے لئے ہوتی ہیں +

**کنفوشش کا مذہب** - اگرچہ چینیوں کا مذہب جیسا کہ کنفوشش سے پہلے تھا بعد میں بھی رہا۔ لیکن اس کا نام صرف دو باتوں کے باعث فخر کے ساتھ لیا جاتا اور اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ ایک تو اس نے اصول وطریق حکومت اور اخلاقی باتوں کی تعلیم دی جو چینیوں کے مذہب کی جڑ تھی دوسرے اس نے کتابوں کو جمع اور مرتب کیا۔ اس نے سرکاری ملازمت میں داخل ہو کر سوشل اور اخلاقی اصلاحیں کیں۔ اس نے صرف نیکی کی تعلیم دی نہ کہ مذہب کی۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ

کل کائنات اپنے تمام اجزا۔ خاصیت۔ موجودات اور انسان کی ذات
میں ایک ترتیب ہے۔ اور یہ ترتیب تمام بیرونی رسوم۔ سوسائٹی کی
مختلف باتوں اور کاموں اور مذہب میں ایک ہی سی نظر آتی ہے۔
انسان کا فرض ہے کہ وہ اس ترتیب سے واقفیت حاصل کرے اور
اس سے وصل اور اس پر قایم رہے اور یہی بات تمام نیکیوں اور
اخلاق کی بنیاد ہے۔

**طاؤ کا مذہب**۔ یہ شخص سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں ہوا ہے۔ اس نے
یہ تعلیم دی کہ خود انکاری پر عمل کرو اور طاؤ میں وصل اور جذب ہو جاؤ۔
کیونکہ طاؤ ہی دائمی اور غیر فانی راستہ ہے۔ اسی پر ہو کر تمام چیزوں اور
ہستیوں کو چلنا پڑتا ہے۔ وہ سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ وہ تمام
چیزوں کا سبب اور نتیجہ ہے۔ تمام چیزیں اسی سے پیدا ہوئیں۔ اور
اسی کی مطیع رہتی ہیں۔ اور اس کی طرف آخر کار مراجعت کرتی ہیں۔
وہ سب چیزوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ ایک فلسفیانہ تعلیم تھی اس لئے
لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ اس کی اخلاقی تعلیم اعلیٰ درجہ کی تھی
مثلاً "بدی کا بدلہ نیکی سے اور نقصان کا مہربانی سے دو"۔ جو شخص دوسروں
پر غالب آتا ہے۔ طاقتور ہے اور جو اپنے نفس پر یعنی اپنے اوپر غالب
آتا ہے وہ سورما ہے"۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کی تعلیمات کا بہت
سا حصہ انسان کے لئے مفید تھا۔

**بدھ مذہب**۔ کنفوشش اور طاؤ دونوں کی تعلیمات مذہب
نہیں کہی جا سکتی البتہ بدھ کی تعلیمات مذہب کے لقب کی سزاوار ہیں۔ کیونکہ
اس نے بے غرضانہ مقاصد اور انسانی یا شخصی زندگی کی ذمہ واریوں کی تعلیم اس
طریقہ میں دی کہ انسان کی ذات کی قدر کو بڑھا دیا۔ اس نے انسان کی زندگی
کا مقصد حصول نروان قرار دیا۔ جس میں روح کو کامل سلوک و آرام ملتا ہے۔

بدھ مذہب کا مفصل ذکر ہندوستان کے باب میں آئے گا۔

# مصریوں کا مذہب

مصر کی تہذیب و شائستگی چین کی تہذیب و شائستگی سے بھی قدیم تر ہے۔ مغربی اقوام کے علوم و فنون کی ابتدا زیادہ تر مصر ہی کی تہذیب سے ہوئی ہے۔ اگرچہ پہلے اہل مصر اہل افریقہ کی نسل سے سمجھے جاتے تھے۔ مگر زمانۂ حال کی تحقیقاتوں سے معلوم ہوا کہ وہ سامی النسل ہیں۔ لیکن یہ امر ابھی تک فیصلہ طلب ہے کہ اُن کو قوم کس نے بنایا اور کب؟ اس بارہ میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ البتہ یہ بالکل سچ ہے کہ اہل مصر مسیح سے کوئی ۴ ہزار سال پہلے ایک مہذب و شائستہ اور دولتمند قوم کی حیثیت سے نظر آتے ہیں یہ اور دیگر سوالات مثلاً قدیم اہل مصر کا مذہب کیا ہے؟ اُن کے ابتدائی معبود کون کون سے ہیں؟ اور اُن معبودوں کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے؟ ابھی حل نہیں ہو سکے۔ کیونکہ نہ تو اہل مصر کے مذہب کی کوئی قابل اعتبار تاریخ ہی اور نہ دیگر باتوں کے کوائف ابھی تک قلمبند ہوئے ہیں۔ اگر مذہب ہی کو لیا جائے تو اس کے متعلق بھی مورخوں میں باہم اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اہل مصر کا مذہب وحدانیت ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ حیوانات پرستی اگر غور سے دیکھا جائے تو مصریوں کا مذہب بہت سے مذاہب کا مجموعہ ہے جس کو ہم یکے بعد دیگرے بیان کریں گے۔

**تاریخ و لٹریچر**۔ ملک مصر بہت سے صوبوں میں جو خودمختار تھے منقسم تھا۔ کوئی بیس صوبہ بالائی مصر میں تھے اور اسی قدر مصر زیریں

میں۔ کہتے ہیں کہ شاہ مینا یا مینس (بشرطیکہ وہ کوئی فرضی شخص نہ ہو) جو ۲۲۰۰ قبل مسیح سے پہلے نہیں ہوا ہوگا اس نے بالائی اور زیرین مصر دونوں ملکوں کو ایک کر دیا۔ تاہم تمام صوبے خود مختار رہے۔ اُن کی فوج ۔ اُن کا فرمانروا ۔ اُن کا طرز محاصل ۔ اُن کا نظم ونسق اور مذہب بدستور سابق قایم رہا ۔ البتہ ان میں سے تمام صوبوں کا مالک کبھی ایک اور کبھی دوسرا صوبہ رہا ۔ پہلے دو شاہی خاندانوں کے بعد میں جو شاہی خاندان ہوئے ہیں اُن کے عہد میں تاریخ مصر کی ابتدا ہوئی اُن کا پایہ تخت شہر موف میں تھا ۔ مگر بارھویں خاندان نے شہر تھیبس کو پایہ تخت قرار دیا ۔ اس کے بعد پھر اٹھارھویں اور انیسویں خاندان کے عہد میں اس شہر کو مصر کا پایہ تخت ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ انیسویں خاندان کے عہد میں مصر بڑے عروج و اقبال پر تھا۔ رامسس دوم کے جانشین اور فراعنہ جن کا ذکر کتاب پیدایش میں آیا ہے اسی خاندان کے ارکان تھے +

مصر کے مختلف شاہی خاندانوں کی طاقت وعظمت کا حال اُن کے عہد کی یادگاروں سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ محل ۔ مندر ۔ مقبرے اس طاقت وعظمت کے مطابق جس کی تمام دنیا تابع سمجھی جاتی تھی بنائے جاتے تھے ۔ علم ادب بھی اپنے کمال عروج پر تھا ۔ اور اسی طرح فن تحریر جو عجیب وغریب طرز کا تھا ۔ مصریوں کا علم ادب دنیا میں سب سے پرانا علم ادب ہے ۔ وہ یادگاروں کے اوپر کتبوں کی صورت میں اب تک موجود ہے ۔ اُن کے پڑھنے سے بہت سی عجیب وغریب باتیں ملک مصر کے متعلق معلوم ہوئی ہیں +

اہل مصر قدیم باتوں کے اس قدر شایق تھے کہ کسی چیز کے خواہ وہ کیسی ہی مفید اور عمدہ ہوتی رواج ہو جانے پر بھی پرانی چیزوں کا

استعمال جاری رکھتے تھے۔ جب فلزات کے فوائد اور استعمال معلوم ہوگئے تو اس کے بعد میں بھی پتھروں کے اوزار مختلف کاموں مثلاً مذہبی کاموں میں استعمال ہوتے رہے۔ یہی بات بعینہٖ فن تحریر پر بھی صادق آتی ہے۔ مصر کی قدیم تحریر کو ہیروگلیفکس یا تصاویر کی تحریر کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حروف کی جگہ تصاویر کا استعمال کیا جاتا تھا۔ اس تحریر میں جو بات لکھی جاتی تھی وہ ان الفاظ کی آواز کی قائم مقام نہیں ہوتی تھی جن کو لکھنے والا استعمال کرتا تھا۔ بلکہ جو خیالات اس کے دل میں ہوتے تھے اُن کے قائم مقام کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس میں الفاظ کو کوئی دخل ہی نہیں تھا۔ اسی باعث ہر شخص اس کو پڑھ نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ اسی طرز تحریر میں سے ایک اور طرز کی تحریر جس میں تصاویر کی جگہ آوازیں یا لفظ استعمال ہوتے تھے نہایت قدیم زمانہ میں ملک مصر میں رائج ہو چکی تھی اور اس میں مصریوں کے علم ادب کا بہت سا ذخیرہ اب تک محفوظ ہے۔ اور اس زمانہ کے لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچا ہے۔ لیکن اس کے زوال پذیر ہونے کے بعد بھی تصاویر والی تحریر کا رواج بند نہ ہوا۔ مذہبی کتبوں میں تو دونوں تحریریں خاص طور پر استعمال میں آتی رہیں۔ تصاویر کی تحریر اوپر اور آوازوں یا الفاظ کی تحریر اُس کے نیچے +

**حیوانات پرستی**۔ سن عیسوی سے پہلے اور بعد میں جیسا کہ رومی اور یونانی مصنفوں اور مورخوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ملک مصر میں حیوانات کی پرستش کی جاتی تھی۔ چنانچہ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ مصر میں تمام حیوانات متبرک مانے جاتے تھے۔ اس نے اُن کی ایک فہرست اپنی تاریخ میں درج کی ہے دریائی گینڈا پیرمس میں اور مگرمچھ تھیبس میں متبرک مانا جاتا تھا۔ اور بعض جانور کل ملک میں

متبرک مانے جاتے تھے۔ اُس نے پرستش کے جانوروں کو پالنے۔ کھانا کھلانے اور موت کے بعد اُن کی عزت و توقیر کئے جانے کا بھی حال لکھا ہے۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے۔ کہ مصر میں مندر ایک بڑی وسیع اور شاندار عمارت تھی۔ وہ کتبوں اور دیگر چیزوں سے آراستہ کی جاتی تھی۔ مگر معبود یا دیوتا کی جگہ کسی مندر میں بندر۔ کسی میں بکری۔ کسی میں بلی یا کوئی دیگر جانور رکھا جاتا تھا۔ اس بیان کی تصدیق بزرگ کلیمنٹ ساکن اسکندریہ اور کیلسس نے بھی کی ہے۔ پس جس صوبہ میں جو جانور متبرک سمجھا جاتا تھا۔ اُس میں اُسے نہ ذبح کیا جاتا تھا اور نہ اُس کا گوشت کھایا جاتا تھا۔ اگر اُس کی توہین کی جاتی تھی تو اس صوبہ کے کل لوگ توہین کرنے والے کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور اگر کوئی اُسے قتل کر ڈالتا خواہ قاتل مسافر یا اجنبی ہی ہوتا تو اُسے قصاص کے طور پر قتل کر دیا جاتا تھا۔ اور اس اختلاف مقامی کے باعث مختلف صوبوں میں باہم جنگ و جدل رہتی تھی۔ جووینل نے ایک ایسی جنگ کا حال لکھا ہے۔ یہ جنگ دو صوبوں میں مدت دراز تک محض اس لئے جاری رہی کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے صوبہ کے متبرک جانور کی تحقیر و توہین کیا کرتا تھا۔ اسی وقت کے باعث بنی اسرائیل کو اُس مدت بھر جس میں وہ مصر میں غلامی میں رہے حیوانوں کی قربانی گزراننے کا موقع نہیں ملا۔

جس جانور کی عبادت جس صوبہ میں کی جاتی تھی وہ مندر میں معبود کی جگہ رکھا جاتا تھا۔ اور اس کی قوم کے افراد کو کل صوبہ بھر میں اُسی کی سی عزت۔ امن اور آسائش نصیب رہتی تھی۔ بعض وقت کوئی جانور ملک میں متبرک مانا جاتا تھا۔ اور اس وقت جبکہ اس صوبہ کا اقتدار دوسرے صوبوں میں تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ اور اس طرح کوئی

جانور مقامی عزت سے بڑھکر کل ملک کی عزت یا عام عزت تک پہنچ جاتا تھا۔ اہل مصر نہ صرف بڑے جانوروں ہی کی عزت و توقیر اور عبادت کیا کرتے تھے۔ بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی بھی۔ حتے کہ گبریلا۔ اور حیوانات سے گزر کر درختوں تک کی پرستش بھی کی جاتی تھی۔ مگر صرف کھجور کا درخت اس قسم کی عزت و توقیر سے محروم رکھا گیا تھا۔ اور اس کا سبب اب تک معلوم نہیں ہوا +

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حیوانات پرستی مصر میں قدیم زمانہ سے رائج نہیں تھی۔ کیونکہ جو کتبے یادگاروں پر درج ہیں اُن میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن دراصل حیوانات پرستی اس ملک میں قدیم زمانہ ہی میں رائج ہو گئی تھی۔ اور کتبوں پر اُسے اس لئے درج نہیں کیا گیا کہ مصر کے بادشاہ اور پوجاری اُسے رواج دینا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اصل میں اہل مصر حیوانات پرستی کے دل سے قائل نہ تھے۔ اُس کے قدیم زمانے میں رواج پکڑنے کا ثبوت یہ ہے کہ مصر کے مشہور پوجاری مینتھو نے لکھا ہے کہ حیوانات پرستی کو اُس ملک میں دوسرے شاہی خاندان کے دوسرے بادشاہ کے عہد میں رواج ہوا تھا۔ مینتھو کے زمانہ کے لوگ حیوانات پرستی کو بُرا سمجھتے تھے۔ اُسے اصلی مذہب کا برباد کرنے والا کہتے تھے۔ مگر چونکہ وہ یہ قرار نہیں دے سکے کہ اس کا رواج کس زمانہ میں ہوا تھا۔ اس لئے وہ اُسے نیست و نابود نہ کر سکے۔ مینتھو کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ فن تحریر کا رواج ہونے سے پہلے ہی مصر میں حیوانات پرستی کا رواج ہو گیا تھا +

مزید برآں مصر کے معبودوں کی جو ابتدائی اور قدیم تصاویر یادگاروں پر پائی جاتی ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا تعلق حیوانات سے ہے۔ اُن معبودوں کی تصاویر جن طریقوں میں بنائی گئی تھیں معبودوں

کی شکلیں مردوں اور عورتوں کی سی بنائی جاتی تھیں۔ مگر ان کے سر پر ایک علامت اُس کی شناخت کے لیئے لگادی جاتی تھی۔ چنانچہ دیوی ہاتھور کی تمام شکل عورت کی سی بنائی جاتی تھی۔ مگر اس کے سر پر گاؤ کے سینگ لگا دیئے جاتے تھے۔ اسی طرح سیب دیوی کے سر پر ایک بطخ بنائی جاتی تھی۔ مگر زمانہ مابعد میں معبودوں کی تصاویر نصف انسان اور نصف حیوان کی سی بنائی جانے لگیں۔ چنانچہ ہورس دیوتا کا دھڑ مرد کا اور سر باز کا سا بنایا جاتا تھا۔ ہاتھور کا دھڑ عورت کا سا اور سر اور سینگ گائے کے سے۔ اتون دیوتا کا دھڑ مرد کا سا اور سر کبھی مینڈھے اور کبھی باز کا سا۔ یہ تبدیلی بارھویں شاہی خاندان کے عہد میں واقع ہوئی۔ مگر اس کے بعد بھی ایسی تصاویر قایم رہیں جن کا کل جسم انسان کا سا تھا۔ ان باتوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حیوانات پرستی مصر میں قدیم زمانہ ہی سے رائج تھی۔ اور زمانہ مابعد میں جو حیوانات پرستی ہونے لگی تھی وہ محض قدیم رسم کی بحالی یا اعادہ تھا +

**حیوانات پرستی کے متعلق اصول۔** اگرچہ حیوانات پرستی کے متعلق بہت سے مصنفوں نے بہت سے اصول قایم کئے ہیں لیکن سردست خاص خاص اصول ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) حیوانات کی پرستش ان اوصاف کے باعث کی جاتی تھی جو اُن میں ہوتے تھے۔ مثلاً کتے کی عبادت وفاداری اور ہوشیاری کے لیئے باز کی تیز پروازی کے لئے۔ اور گائے کی مہرباں والدہ کی طرح دودھ دینے کے لئے کی جاتی تھی۔ اور علےٰ ہذا۔ (۲) پرستش حیوانات کی نہیں کی جاتی تھی وہ اس دیوتا کی جس کے ساتھ اُن کا تعلق ہوتا یا جس کی وہ علامت سمجھے جاتے تھے۔ عبادت دراصل دیوتا کی کی جاتی تھی۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ اُس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کب اور کیسے حیوانات کو

مختلف دیوتاؤں کی علامت یا قائم مقام قرار دیا تھا (۳) مدتیں گزریں کہ انسانوں نے جنگ میں اپنی فوجی علامات یا نشان جنگ یا نشان فتح کے طور پر مختلف جانوروں کو استعمال کیا۔ یا کسی قدیم بادشاہ نے اپنی رعایا میں نا اتفاقی پھیلانے اور قائم رکھنے کی نیت سے اپنی سلطنت کے مختلف صوبوں کے مختلف جانوروں کو متبرک قرار دیا یا یہ کہ جب دیوتا زمین پر آتے اور چلتے پھرتے تھے تو جانوروں کا بھیس بدل لیتے تھے اور اب تک بھی وہ اس بھیس میں ہیں۔ دیوتا جانور کے بھیس میں اس لئے بھی آجاتے تھے کہ انسان کی قربت حاصل کر سکیں اور معلوم کر سکیں کہ انسان کیا کیا کرتے ہیں۔ مگر انسانوں نے اُن کو اس بھیس میں پہچان لیا (۴) مصریوں کے علم النفس میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ دیوتاؤں کی عبادت اس وقت تک اچھی طرح نہیں ہو سکتی جس وقت تک کہ وہ جسم اختیار نہ کر لیں۔ اور اگر تمام دیوتا انسان کا جسم اختیار کر لیتے تو سب ایک ہی سے ہو جاتے اور اُن میں کوئی فرق یا امتیاز باقی نہ رہتا۔ اس لئے اُنہوں نے مختلف جانوروں کا جسم اختیار کر لیا +

مذکورہ بالا اصول بظاہر از زمانہ مابعد کی ایجاد ہیں۔ اور حیوانات پرستی کی اصل یا حقیقت کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ حیوانات پرستی کا رواج مصر میں زمانۂ تہذیب میں نہیں ہوا ہوگا۔ اور اگر وہ کسی قدیم اور تاریک یا غیر تاریخی زمانہ کا واقعہ نہ ہوتا تو زمانہ تہذیب میں قایم نہ رہتا۔ وہ محض راز یا معمہ کی حیثیت میں قائم رہ سکی ہوگی +

مگر ان اصولوں کے علاوہ حیوانات پرستی کے متعلق ایک اور نئی وجہ یا نیا اصول ظہور میں آیا جس کے طرفدار دن بدن لوگ ہوتے جاتے ہیں۔ جو ڈنیئل اور ڈائڈورس نے جو باتیں مصریوں

کے مذہب کے متعلق لکھی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا مذہب ٹوٹم ازم ہے - جس طرح پیرو واقع جنوبی امریکہ یا شمالی امریکہ میں ریڈ انڈین قوم میں اُنکا مذہب رائج ہونے سے پہلے ٹوٹم ازم رائج تھا اور ہر فرقہ کسی خاص جانور کو متبرک مانتا اور اُس کی عبادت کرتا تھا - اسی طرح مصر میں ٹوٹم ازم کا رواج ممکن ہو سکتا ہے - اُن کے مذہب میں بعض بعض باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو اس امر کی تائید اور تصدیق کی جاسکتی ہیں - اور اگر بالفرض یہ بات نہ بھی ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ مختلف صوبوں میں قدیم زمانہ میں ٹوٹم ازم کے ماننے والے لوگ آباد ہوئے تھے ؟ جنھوں نے آپس میں میل کرنے کے بعد بھی اپنی ٹوٹم اور اس کی عبادت کو برقرار رکھا - اور زمانہ مابعد میں جو تبدیلیاں مذہب میں واقع ہوئیں وہ قدیم مذہب کو ملک سے نہ نکال سکیں اور نہ نیست و نابود کر سکیں +

**بڑے بڑے معبود** - مصریوں کے مذہب میں حیوانات پرستی کے ساتھ ساتھ آسمانی ہستیوں یا اجسام فلکی مثلاً آسمان کا دیوتا آفتاب کا دیوتا وغیرہ کی جو راستباز اور نیک تھے اور عابد کے دلوں کو شریفانہ اور عمدہ طرح کی عبادت کے خیال سے لبریز کر سکتے تھے اور اُسے خدا پرستی کی طرف رغبت دلاتے تھے - عبادت بھی ہوتی تھی - مگر ان معبودوں کی شبیہ بھی حیوانوں ہی کی سی بنائی جاتی تھیں - اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حیوانوں کی پرستش کو اعلیٰ درجہ کے دیوتاؤں کی پرستش سے رواج ہوا - یا ادنےٰ درجہ کے معبودوں کی پرستش سے اعلیٰ درجہ کے معبودوں کی پرستش کو رواج ہوا ؟ مگر ان دونوں باتوں کا ثبوت ذرا ٹیڑھی کھیر ہے - ہم اس مضمون کے شروع ہی میں بیان کر چکے ہیں کہ ہر ملک میں سب سے پہلے اعلےٰ درجہ کی موجودات ایزدی کی عبادت

کو رواج ہوا تھا۔ پس یہی بات مصر پر بھی صادق آتی ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ مصر کے بعض بڑے معبود مسپتامیہ سے آئے ہوں تو بھی اُن کے مصر میں آنے کے بعد کی تاریخ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس کو ماننے سے مصریوں کا مذہب دو خاص مذاہب کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے۔ جن میں سے ہر ایک جدا طرز۔ کا اور دوسرے سے بے لگاؤ اور خود مختار تھا۔ اور ان دونو مذاہب کے اجتماع کا زمانہ اُس زمانہ سے پہلے کا ہے جس کے حالات ہم کو معلوم ہوئے ہیں +

پہلے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مصر میں جو معبود موجودات ایزدی میں سے تھے اُن کے متعلق افسانہ بہت ہی کم ہے۔ اور سوائے اُن چند اوصاف کے جن سے اُن کا ذی روح ہونا ثابت ہوتا ہے اور کوئی بات نہیں پائی جاتی ہے۔ مگر جدید تحقیقاتوں سے معلوم ہوا کہ افسانے بکثرت ہیں۔ اور ایک ہی طرز کے۔ لیکن مصر کے دیوتاؤں کا کوئی ایسا نظام نہیں ہے جیسا کہ یونان کے دیوتاؤں کا۔ بلکہ اُن کا ہر خاندان جداگانہ ہے۔ تاہم سارے خاندان ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ وہ آفتاب۔ یا شام یا صبح کے دیوتاؤں سے مرکب ہیں۔ اور جو قصص اُن کے متعلق ہیں وہ بھی ایک ہی قسم کے ہیں۔ دیوتاؤں کے یہ خاندان مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور صرف یہی ذرا سا فرق اُن میں پایا جاتا ہے +

بڑے بڑے معبود مقامی معبود ہیں کیونکہ اُن کی عبادت کسی خاص صوبہ میں ہوتی تھی۔ اور جب تک کوئی خاص سبب یا بات واقع نہیں ہوتی دوسرے صوبہ میں اُنہیں کوئی مانتا ہی نہ تھا۔ تاہم بعض صوبوں میں ایک سے زیادہ معبودوں کی عبادت بھی ہوتی تھی کیونکہ جب ایک صوبہ کے معبود کی عبادت کسی وجہ خاص سے دوسرے

صوبہ یا صوبوں میں ہونے لگتی تھی تو وہ اس صوبہ اور اور صوبوں کے معبود کا شریک حال سمجھا جاتا تھا اس طرح بعض دیوتاؤں کے چودہ چودہ نام پڑ گئے اور بعض کے نام مرکب ہو گئے مثلاً را ہرماخس را اور ہرماخس سے مرکب ہے۔ آمون را جو آمون اور را سے اور پتھا سوکا را او سائرس جو پتھا۔ سوکار اور او سائرس سے مرکب ہے۔ اس اصول سے ہمیشہ نئے معبودوں کا ظہور ہوتا رہتا تھا تاہم مقامی معبودوں کی عبادت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا +

مصر کے ہر صوبہ کے مندر میں ترمورتی بھی ہوتی تھی جس کے تین دیوتاؤں میں سے ایک خاوند۔ دوسری بیوی اور تیسرا اُن کا لڑکا ہوتا تھا۔ مشہور ترموریتاں یہ ہیں تھیبس میں امن۔ موت چانسو۔ موف میں پتھا۔ سخت۔ امہوتپ۔ ابیدس میں اوسائرس آئسس۔ ہورس۔ اومبس میں سیباک۔ ہاتھور۔ چانسو ترموتی میں بیٹا اپنے باپ کا جانشین سمجھا جاتا تھا وہ اپنی ہی ماں سے شادی کرتا اور اپنے ہی جانشین کی حیثیت سے پھر پیدا ہوتا تھا۔ پس اگرچہ وہ بار بار فوت ہوتا مگر ہمیشہ زندہ ہی رہتا تھا۔ اُس کی والدہ کبھی فوت ہی نہیں ہوتی تھی +

علم الاصنام (دیومالا) تمام دیوتا سیب اور نت سے پیدا ہوئے ہیں۔ سیب زمین کا دیوتا تھا اور نت آسمان کی دیوی تھی۔ ان ہی سے تمام چیزیں پیدا ہوئی تھیں۔ بہت سے دیوتاؤں نے دنیا میں بادشاہوں کی مانند حکمرانی کی اور بہت سے شاہی خاندانوں کی بنیاد ڈالی۔ مثلاً را دیوتا کا زمینی عہد حکومت عہد زریں کہلاتا ہے جس میں کامل انصاف۔ خوشی اور خوشحالی لوگوں کو نصیب رہی تھی۔ بہت سے افسانے حیوانوں کی پیدائش اور مقامات

متعلق پائے جاتے ہیں - دیوتاؤں کے متعلق جو افسانے ہیں وہ جادو کا اثر رکھتے اور کام دیتے ہیں - بعض کے پڑھنے سے زہر کا اثر دور ہو جاتا ہے - عہد زریں کے بعد ایک تاریک عہد آیا جس میں دیوتاؤں کی طاقت و اقتدار کم ہو گیا اور اُن کی نافرمانی کرنے لگے - خود دیوتاؤں میں جنگ وجدل شروع ہوئی - ان تمام قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت قدیم زمانہ میں جب کہ تہذیب و شایستگی کا ظہور نہیں ہوا ظہور میں آ گئے تھے - یہ قصص حیوانوں کے متعلق نہیں ہیں - بلکہ انسانوں کے متعلق اور انسان بھی کون - وہ جو آفتاب کے سورما اور بہادر تھے - القصہ یہ کہ یہ افسانے اور قصص آفتاب کی روزانہ شان و شوکت - اُس کی فیض رسانی - اُس کے طلوع و غروب - اس کے زوال - تاریکی کی طاقتوں کے ساتھ اس کی جنگ وجدل - اس کی موت - اُس کے پھر زندہ ہو جانے اور اس کے جانشینوں کا اُس کے دشمنوں سے ان بدسلوکیوں کا بدلہ لینے کا جو اُس کے ساتھ کی گئی تھیں کے حالات ہیں جو کبھی ایک دیوتا سے متعلق بتائے جاتے ہیں اور کبھی دوسرے سے *

**دیوتاؤں کے خاندان** - مصر میں پایہ تخت کی تبدیلی کے ساتھ ہی دیوتاؤں کے ایک خاندان کے بعد دوسرے خاندان کا ظہور ہوتا تھا - اُس وقت پرانے دیوتاؤں کی عبادت کو مٹا دینے کی کوشش کی جاتی تھی نہ کہ نئے دیوتاؤں کی پرستش کو رواج دینے کی - اسی باعث را - اوسائرس - پتھا اور آموں جو بڑے معبود ہیں یکے بعد دیگرے زور و طاقت پکڑ گئے *

را - اس لفظ کے معنی آفتاب کے ہیں - اس دیوتا کا معبد ہیلیوپلس میں تھا - جہاں کہ فوطیفار کا پایہ تخت تھا - وہ ایک بڈھا بادشاہ اور

پھر ایک جنگجو بہادر کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔ اُس نے تاریکی کے اژدھے اپیپ سے جنگ کی۔ اور اُسے برچھی سے زخمی کر دیا۔ مگر جنگ میں شکست کھائی۔ اس کے بعد آسمان کی دیوی ہاتھور نے اس کی جنگ کی اور ہورس نے اُس سے را کا بدلہ لیا۔ وہ دو کشتیوں میں سوار ہوکر آسمان کا سفر کرتا تھا۔ اور رات کو پاتال میں ہوکر گزرتا تھا۔ اور جب تک کہ وہ صبح کے دروازے پر پہنچتا اسے رات کے سفر میں بہت سی رکاوٹیں پیش آتی تھیں۔ اُس کے جلو میں بہت سے دیوتا ہوتے تھے۔ وہ مردوں کی ارواح کو بھی پاتال میں ہوکر لے جاتا تھا۔

**اوسائرس**۔ یہ بھی آفتاب کا دیوتا تھا۔ اور انسان سے دیوتا بنا دیا گیا تھا۔ وہ پاتال کا فرمانروا اور مردوں کا انصاف کرنے والا تھا۔ اُس کے ساتھ سیب اور نٹ کی نسل سے چار اور دیوتا پیدا ہوئے تھے۔ آئسس ابتدا ہی سے اس کی بہن اور بیوی مقرر کی گئی تھی۔ اُس کا بھائی سیت اُسی کے ساتھ پیدا ہوا۔ اوسائرس اور سیت دونوں میں متواتر جنگ و جدل رہی۔ اس جنگ میں بہت سی باتیں وقوع میں آئیں مگر فتح کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی اوسائرس جب مارا گیا تو اُس کی جاں نثار بیوی آئسس اُسے پاتال میں تلاش کرنے گئی تھی۔ ہورس نے اس کے قتل کا بدلہ لیا۔

**پتھا**۔ اس کی علامت ایپس ہے۔ اس کا مندر سوف میں تھا۔ وہ یونانیوں کے دیوتا ولکن کا ہم صفات تھا۔ زمانہ مابعد میں وہ آفتاب کا دیوتا مانا جانے لگا۔ وہ بھی پاتال کا ایک دیوتا تھا۔ وہ مردوں کا انصاف کرتا تھا۔ وہ اس عالم میں بھی لوگوں کا منصف تھا۔ اُس کا بیٹا امین ہوتپ تھا۔ اس ترمورتی کی جس میں پتھا اور امین ہوتپ دو ارکان تھے۔ تیسرا رکن سخت دیوی تھی پتھا دیگر ترمورتیوں میں

بھی شامل تھا +

مذکورہ بالا معبود پہلے چھ شاہی خاندان کے دیوتا تھے۔ مگر بارھویں خاندان کے عہد میں ان دیوتاؤں کا اقتدار اور طاقت گھٹ گئے تھے اور دیگر دیوتا زور پکڑ گئے تھے مثلاً آمون۔ خیم۔ منت +

اس امر کے بھی کافی ثبوت پائے جاتے ہیں کہ مصریوں کا ابتدائی مذہب خداپرستی یا اُلوہیت تھا۔ وہ حی القیوم خدا کی عبادت کرتے تھے۔ جس نے زمین و آسمان۔ آگ۔ پانی۔ دیوتا۔ انسان۔ حیوان۔ پرند وچرند۔ حشرات وغیرہ وغیرہ کو پیدا کیا۔ مسٹر ڈی۔ لا۔ روگ لکھتے ہیں کہ "مصریوں کا مذہب شروع میں وحدانیت تھا۔ جس میں وہ ایک واحد خدا کی پرستش کرتے تھے۔ وہ خالق عالم تھا۔ اُس نے انسان کے فائدہ کے لئے قواعد بنائے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ اس کی جگہ بت پرستی یا شرک کا رواج ہوگیا۔" در اصل وحدانیت کا اعتقاد اہل مصر میں ابتدائی زمانہ سے نہیں پیدا ہوا تھا۔ بلکہ اُسے تہذیب کی ترقی کے ساتھ اور رفتہ رفتہ اُن کے دلوں نے قبول کیا تھا۔ وحدانیت کے خیال کا وجود تو وحشی اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔ پس مصریوں کو اس خیال کو ترقی دینے کے بہت سے موقعے ملے ہوں۔ اور جب اُنھوں نے تہذیب میں ترقی کی تو اس معبود کی عزت ووقعت کا خیال جس کی پیدا کردہ اشیا کی وہ عبادت کرتے تھے زیادہ پختہ ہوگیا ہو اُسے وہ خالق عالم اور کل دُنیا کا مالک فرمانروا سمجھنے لگے ہوں۔ لیکن اہل مصر کسی ایسے واحد خدا کے قائل نہ تھے جس کے علاوہ کوئی اَور خدا یا معبود نہ تھا۔ گویا یہ سچی اور بے لوث وحدانیت کے معتقد نہ تھے۔ بلکہ وہ کسی مقامی معبود کو جو کسی حیوان یا جانور کا بھیس بدلے ہوئے تھا اور جس کی علامت کوئی جانور تھا واحد خدا

مانتے تھے۔ اسی لئے وہ سچے واحد خدا کے قائل نہ رہے اور حیوانوں کی عبادت کرنے لگے +

اٹھارھویں شاہی خاندان کے عہد میں شاہ خوتین آیتن نے بہت کوشش کی کہ کل ملک میں ایک ہی دیوتا (آفتاب کے دیوتا) کی عبادت کو رواج ہو جائے۔ مگر اُسے اس میں ناکامی رہی۔ کیونکہ اہل مصر ابتدا ہی سے ہینوتھیزم کے قائل تھے۔ جس میں ایک وقت ایک خاص دیوتا کی عبادت کی جاتی اور اُس دیوتا کو تمام دیوتاؤں سے افضل سمجھا جاتا تھا۔ مگر باقی اور دیوتاؤں کے وجود سے انکار نہیں کیا جاتا تھا +

سنکریٹیزم۔ مصریوں کے مذہب میں سنکریٹیزم کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اُن کے دیوتاؤں کی عدالت بنائی گئی تھی جس میں صرف ایک یا دو دیوتا باقی دیوتاؤں پر حکومت کرتے تھے۔ اور بعض دیوتا ایک جگہ ایک نام سے یاد کیا جاتا تھا تو دوسری جگہ دوسرے نام سے۔ اور تمام دیوتاؤں کو ملا کر ایک کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ دو تین اور چار یا زیادہ نام والے دیوتا پیدا کئے گئے اور اور اُن کی عبادت ہونے لگی۔ سنکریٹیزم اس مذہب یا عقیدہ کا نام ہے جس میں مختلف متضاد عقاید کو ملا کر ایک کر دینے کی کوشش کی جائے۔ گویا وہ اجتماع ضدین یا مذہب غیر امتزاجی ہے +

مصریوں کے مذہب میں مسئلہ ہمہ اوست کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔ جب دیوتا اپنے ذاتی صفات سے محروم ہو جاتے ہیں تو اُن میں سے کوئی ایک باقیوں کو ماند کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اُس کا شخصے معلوم دینے لگتے ہیں۔ جب مصر میں دیوتاؤں پر یہ حالت گزری تو مختلف دیوتا ماند نہ ہو سکے۔ بلکہ اُن کے مقامی

تعلقات اور طاقت و اختیار برقرار رہے۔ مگر چونکہ وہ ایک دوسرے سے مشابہ تھے وہ ایک دوسرے کا مثنے یا کل ایک کا مثنے سمجھے جانے لگے۔ سب سے زیادہ رآ دیوتا نے باقی دیوتاؤں کو ماند کر دیا تھا۔ اور جب بہت سے دیوتا خود مختار حالت سے گزر کر رآ کے مثنے بن گئے تو مصر کے کل دیوتاوں کا مندر وحدانیت کا مرکز بن گیا چونکہ دراصل رآ خود مختارانہ تھا۔ بلکہ منجملہ دیگر معبودوں کے ایک تھا اس لئے وہ تمام دیوتاؤں پر حکمرانی نہ کر سکا۔ اور باقی معبودوں کی عبادت بھی جاری رہی۔ ایک واحد خدا کے صرف مذہبی پیشوا قائل تھے نہ کہ عوام الناس۔ اسی لئے حیوانوں کی پرستش بھی مصر سے نہ مٹ سکی۔ اور کسی خاص اور ایک واحد خدا کی عبادت کا رواج نہ ہو سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصریوں کا مذہب اعلےٰ درجہ سے تنزل کرکے ادنےٰ درجہ تک پہنچ گیا۔

**عبادت یا پرستش**۔ مصر میں شاندار مندر محض دیوتا کے مسکن ہونے کے لحاظ سے بنائے جاتے تھے نہ کہ عبادت کے لحاظ سے مندر عوام لوگوں کے صلاح و مشورہ کرنے کی جگہ۔ اور غنیم کی یورش کے وقت قلعہ کا کام دیتے تھے۔ اس میں لوگ جاتے تھے۔ مگر خاص مقامات میں جہاں دیوتا کا مثنے جانور یا شبیہ یا نشان رکھا ہوتا صرف پوجاری ہی جا سکتے تھے۔ مقررہ دن یا دنوں میں دیوتا کا جلوس نکالا اور اس کا گشت مندر کے صحن یا مندر کی جھیل کے گرد یا باغات کے گرد یا شہر کے گرد کرایا جاتا۔ اس روز بڑا جشن کیا جاتا اور خوشی منائی جاتی تھی۔ مصر میں عبادت اور جلوس شخصی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ سرکاری حیثیت اور اہتمام سے نکالا جاتا تھا۔ سلطنت دیوتا کی نگرانی میں سمجھی جاتی تھی اور بادشاہ دیوتا کا فرزند

مانا جاتا تھا۔ اسی لئے موت کے بعد بادشاہ کی بھی عبادت ہوتی اور اس کے مزار پر قربانی اور نذر چڑھائی جاتی تھی۔ بادشاہ دیوتا کو قربانی دیتا تھا۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنگ میں خود دیوتا اُن کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرتا تھا۔ مندر کے پوجاری بڑے بارسوخ اور صاحب اختیار و اقتدار ہوتے تھے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ امراض کو محض طاقتیں یا بد روحیں پیدا کرتی ہیں۔ اہل مصر جادو کے قائل تھے۔ سعد و نحس ایام کے بھی معتقد تھے۔

**حیات بعد الموت**۔ مصریوں کا عقیدہ تھا کہ روح اس جسم سے جدا ہو کر فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ زندہ رہتی ہے۔ وہ غیر فانی ہے اور پھر جسم میں آجاتی ہے۔ اُس کے زندہ عزیزوں کو اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے۔ اور قربانی اور نذر جو کھانے پینے کی چیزوں میں سے ہو دینی چاہئے تاکہ وہ زندوں کی مانند زندگی کے بہت سے کاموں کو انجام دے سکیں۔ مردوں کی نعشوں کو اس خیال سے مصالح لگا کر قایم رکھا جاتا تھا کہ جب روح واپس آئے تو اُسے رہنے کے لایق پائے۔ مردوں کی روحوں کو آفتاب کے دیوتا کے ساتھ پاتال میں جانا پڑتا تھا۔ مردوں کی کتاب جو مصریوں کے لٹریچر میں ایک اعلیٰ درجہ کی اور مستند کتاب ہے اس میں وہ تمام باتیں درج ہیں جو مردوں کو موت کے بعد پیش آتی ہیں۔ اور جو سزا و جزا اُن کو دیجاتی ہے اس کا بھی بیان ہے۔ اور جیسے افعال کہ اُن سے بقید حیات سرزد ہوتے ہیں اُن ہی کے مطابق اُن کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔

# حصہ سویم

## سامی النسل اقوام کا مذہب

## سامیوں کا مذہب

سامی النسل میں فی زمانہ اہل عرب - عبرانی - کنعانی - فینکی شامی - ارمنی - اہل بابل اور سوریہ شامل ہیں - اگرچہ یہ تقسیم اس تقسیم کے بالکل خلاف ہے جو کتاب مقدس کے صحیفہ پیدایش باب ۱۰ میں درج ہے - کیونکہ اس میں سام کی اولاد میں علامی اور یوددد قوم شامل ہیں - لیکن وہ تقسیم علم جغرافیہ یا ملک کے مطابق کی گئی تھی اور زمانہ حال کی تقسیم زبان کے لحاظ سے کی گئی ہے - اور جو اقوام اس میں شامل ہیں وہ سامی زبان بولتی تھیں اور اب تک بھی اُن کی نسلیں ایسی زبانیں بولتی ہیں جو سامی زبان سے نکلی ہیں - اور اسی خیال سے مذکورۂ بالا تمام اقوام سامی قرار دی گئی ہیں ٭

اس زمانہ کے علماء اور محققوں کی رائے کے مطابق سامی زبان اور نسل ملک عرب سے چلی اور چاروں طرف پھیل گئی - یہاں تک کہ سامی زبان اور سامی قوم کے رسم و رواج نے عرب سے لیکر شام اور کوہستان ایران سے لیکر بحر روم کے سواحل اور شمالی افریقہ تک قبضہ کر لیا - اگرچہ اس نسل کے لوگوں نے کوئی ایسی سلطنت قائم نہیں کی جو مدتوں قائم رہی ہو - اور نہ علوم و فنون میں زیادہ کوئی

میلان اور جد وجہد دکھایا لیکن مذہب کے بارہ میں اُس نے وہ وہ باتیں پیدا کیں جو اُس وقت تک قائم رہینگی جب تک مسیح کی تعلیم اور نیز دیگر انبیا کی تعلیم قائم رہیگی +

چونکہ سامی النسل اقوام ایک ایسے ملک سے نکلیں اور دنیا میں پھیلیں جہاں وہ ایک دوسرے کی ہمسایہ کے طور پر کبھی آباد تھیں اس لئے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ادھر اُدھر پھیلنے سے پہلے ان کا ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی مذہب تھا۔ اور اُس میں سے وہ تمام مذاہب پیدا ہوئے جن کی آگے چل کر سب سامی اقوام قائل و معتقد نظر آتی ہیں +

سامی النسل اقوام اور انڈو یورپین اقوام کے مزاج اور طبعی خاصہ میں زمین و آسمان کا سا فرق پایا جاتا ہے۔ سامی اقوام میں قوت متخیلہ بہت کم ہے۔ مگر جو کچھ بھی ہے اُسے وہ اچھی طرح عملی صورت میں لاتی ہیں۔ وہ فلسفہ وغیرہ سے اس وقت تک علیحدہ رہتی ہیں جب تک کہ اُس کی اشد ضرورت نہ پڑے۔ اس لئے مذہبی باتیں اُن کو حقایق معلوم دیتے ہیں نہ کہ خیالات اور مذہب اُن کے نزدیک ایک عملی مسئلہ اور معاملہ ہے۔ جس کا ثبوت اُن کی زندگی کے افعال اور روش سے اچھی طرح ہوتا ہے +

ایک ایسا مذہب جو تمام سامی النسل اقوام کا عام اور مشترکہ مذہب یا اُن کے مذاہب کی جڑ قرار دیا جائے۔ نہ تو اہل بابل میں پایا جاتا ہے اور نہ فینیکیوں میں۔ بلکہ جزیرہ نماعرب میں۔ اہل عرب کی زندگی اب تک اُسی ڈھنگ۔ اُسی رفتار۔ اور اُسی پیمانہ پر چلی آتی ہے۔ جیسی کہ حضرت ابراہیم سے پہلے بھی تھی۔ عرب خانہ بدوش قبائل کا مجموعہ ہیں۔ نہ اُن کا کوئی ایک یا خاص حاکم ہے۔ اور نہ وہ ایک قوم ہیں اُسے سوشل ترقی کی وہ حالت یا درجہ سمجھو جو قدیم اقوام میں

قومیت اور بادشاہی کی ابتدا سے پہلے پائی جاتی تھی۔ جس وقت عبرانیوں کی شہرت ہوئی۔ اُس وقت وہ اس حالت سے ترقی کر رہے تھے۔ اُن کی ہمسایہ اقوام موآبی اور کنعانی اُن سے پہلے ہی اس حالت سے ترقی کر گئے تھے۔ ان تمام اقوام پر کسی زمانہ میں یہی حالت گزر چکی ہے۔ اس وقت وہ نہ بڑی اور نہ متحد جرگہ تھیں بلکہ ایک خانہ بدوش اور چھوٹا سا فرقہ تھیں۔ ان میں کوئی تحریری قانون نہ تھا۔ بلکہ چند رسوم تھیں۔ اُن کا کوئی خاص اور ایک فرمانروا نہ تھا۔ بلکہ تمام قبیلہ یا فرقہ اپنے فرقہ کے کسی شخص کے قتل کا بدلہ لیا کرتا تھا +

سامی مذہب کے خواص یہ تھے کہ ہر قبیلہ کا ایک خاص دیوتا یا معبود ہوتا تھا۔ وہ شاید ابتدا میں کوئی حیوان ہوتا تھا۔ وہ کل قبیلہ کا بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ اور قبیلہ کے سارے لوگ اُس کی اولاد مانے جاتے تھے۔ اس کا تعلق صرف اُسی قبیلہ سے ہوتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سامی مذہب سابق میں وحدانیت تھا۔ اسی طرح ان تمام قوموں اور فرقوں کا مذہب بھی وحدانیت پر مبنی تھا جو ٹوٹم ازم کی قائل نہیں۔ کیونکہ جو شخص جس فرقہ میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ اسی فرقہ کے معبود کی عبادت کر سکتا تھا۔ اگر وہ اپنے قبیلہ یا فرقہ سے خارج کر دیا جاتا تو وہ دوسرے فرقہ میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ اُس کے معبود کی عبادت کر سکتا تھا۔ معبود اس فرقہ کی تمام باتوں میں حصہ لیتا۔ اور شریک ہوتا تھا۔ اگر ایک فرقہ کسی دوسرے فرقہ سے جنگ کرتا۔ تو وہ جنگ اس معبود کی اپنی ہی جنگ سمجھی جاتی تھی۔ جب اُس فرقہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جاتا تو اس کے قتل کا بدلہ قاتلوں سے لینے میں لوگوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ الغرض

کل فرقہ اور اس کا معبود ایک دوسرے کے رفیق صادق سمجھے جاتے تھے - اور دونوں اپنے فرقہ کی رسوم کو ایک قسم کا امتیازی نشان یا علامت کے طور پر قایم رکھنے میں دل وجان سے آمادہ اور ایک دوسرے کے شریک حال و مددگار رہتے تھے *

سامی اقوام میں جتنے قبیلے یا فرقے ہوتے تھے - ان میں اتنے ہی معبود بھی ہوتے تھے - مگر یہ معبود ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوتے تھے - جب تک کہ فرقوں میں متواتر جنگ و جدل جاری رہتی تھی - تب تک کوئی ایک معبود دوسرے معبودوں سے نہ سبقت حاصل کر سکتا اور نہ بڑھ سکتا تھا - مگر جب ایک فرقہ کسی دوسرے فرقہ کو فتح کر لیتا تو فتح مند فرقہ کا معبود مغلوب فرقہ کے معبود سے بڑھ جاتا تھا - سامی معبود موجودات ایزدی میں سے نہیں ہوتا تھا - بلکہ کسی فرقہ کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا - اور اس فرقہ کے لوگ اس کی اسی طرح عزت کرتے تھے - جس طرح کہ بزرگ کی عزت کی جاتی ہے - نہ اس کا نام موجودات ایزدی کے اسماء میں سے رکھا جاتا تھا بلکہ ان اسماء میں سے جو انسانی تعلقات کو ظاہر کرتے ہیں - مثلاً بعل جس کے معنی آقا یا مالک کے ہیں - عدون جس کے معنی حاکم کے ہیں - ملیج جس کے معنی بادشاہ کے ہیں - اور علے ہذا معبود کا نام ایک عام اصطلاح ہوتی تھی - اور لفظ خدا یا گاڈ یا پرمیشور کی مانند ہر دیوتا کے لئے استعمال ہو سکتا تھا - سامی معبود سب مذکر مانے جاتے تھے - لیکن اہل بابل نے ان میں مونث معبود یعنی دیویوں کو بھی شامل کر دیا تھا - اور محققوں اور عالموں کی عام طور پر یہ رائے ہے کہ ابتدا میں سامی اقوام صرف ایک دیوی کی معتقد تھیں - اور اس کی تائید

میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ ابتدا میں ہر خاندان کی منتظم و مالک والدہ ہوا کرتی تھی (باپ تو منتظم و مالک زمانہ مابعد میں مانا جانے لگا تھا) اس لئے سامی اقوام میں پہلے دیوی یا دیویوں ہی کی حکومت قائم ہوئی عرب میں لفظ علات کے معنی خاتون کے ہیں - اس لئے ہر قبیلہ میں ایک علات ہوتی تھی - وہ سخت مزاج اور تند خو سمجھی جاتی تھی - مگر زمانہ مابعد میں علات نرم دل مانی جانے لگی - جتنی سامی اقوام ہیں اُن سبھوں میں کسی دیوی یا علات کے موجود ہونے کے آثار اور نشانات ابتدائی زمانہ ہی میں پائے جاتے ہیں - مگر جوں جوں مذکر معبودوں کو عروج ہوتا گیا - توں توں دیویوں کو زوال - یہاں تک کہ وہ دیوتاؤں کا ایک جزو مانی جانے لگیں - اور ساتھ ہی اُن کے خواص بھی بالکل تاریکی او گمنامی میں جا پڑے - جس قوم میں معبودوں کا یہ حال ہو - اُس میں علم الاصنام کے پیدا یا قایم ہونے کی گنجایش بہت ہی کم ہوتی ہے - کیونکہ معبودوں کی تاریخ جو کچھ بھی ہے - وہ گویا قبیلوں یا فرقوں کی تاریخ ہے - معبود اس قدر خود مختار - آزاد اور مطلق العنان نہیں ہوتے کہ وہ اپنی ایک سوسائٹی جدا قایم کر سکیں جس سے ان کے افعال کے متعلق قصص و روایات پیدا ہو سکیں *

یہاں تک تو سامی معبودوں کی تاریخ طبعی بیان ہوئی ہے مگر اُس کا دوسرا پہلو اور ہے - اور وہ یہ ہے کہ جن ممالک میں سامی اقوام آباد تھیں یا آباد ہوئیں وہ ابتدا ہی سے مقدس مقامات سے مزین تھے - اور کسی فرقہ کا معبود ملک کے کسی خاص حصہ کا رہنے والا اور معبود سمجھا جاتا تھا - اس سرزمین کا وہ مالک ہوتا تھا - اور اُس کی زرخیزی معبود ہی کی طرح منسوب کی جاتی تھی - بائبل کے مطالعہ سے متبرک کنوؤں - درختوں پتھروں - ٹیلوں اور ستونوں کا جہاں نذریں گزرانی جاتی یا قربانیاں

چڑھائی جاتی تھیں وجود ظاہر ہوتا ہے۔ مگر دیگر سامی ممالک میں بھی جن
کا ذکر پاک نوشتوں میں نہیں ہے ایسے ہی مقدس نشانات پائے جاتے
تھے۔ سامی اقوام کو وہ مقامات اور اشیاء جو غیر تاریخی زمانے کے مذاہب
سے تعلق رکھتی تھیں میراث میں ملی تھیں۔ ملک کنعان میں بھی بہت
سے مقدس ستون پائے جاتے تھے۔ سامی اقوام کو موجودات ایزدی
ابتدا ہی سے جاندار یا ذی روح معلوم دینے لگی تھیں۔ وہ کل عالم کو ارواح سے
معمور ماننے لگی تھیں درختوں کی سنسناہٹ۔ اور چشموں کے پانی کے بہنے
کی آواز کا باعث ارواح مانی جاتی تھیں۔ اسی طرح ویرانے اور جنگل جو
صحرائی درندوں کا مسکن تھے ارواح کا مسکن سمجھے جاتے تھے۔ ان
توہمات میں سامی اقوام صدیوں تک مبتلا رہیں۔ لیکن بعد میں انہوں
نے ارواح کی جگہ معبود اور جادو اور جنتر منتر کی جگہ مذہبی رسوم قایم کیں
اور یہ ان کا ایک بڑا بھاری اور قابل تعریف کام تھا۔ وہ بدروح یا
جن جو کسی جنگلی جھاڑی میں رہتا تھا اور جس کی عبادت باقاعدہ نہیں
کی جاتی تھی۔ مگر جس سے ہر شخص ڈرتا تھا۔ اس کی جگہ کسی فرقہ کے جو
اس مقام میں آباد ہو گیا معبود نے لے لی۔ اور فرقہ کے لوگ اس کی
باقاعدہ طور پر پرستش کرنے لگے۔ پتھر کی چیزیں اس معبود کی علامت
بن گئیں۔ اور ان پر ایک فرقہ کی مذہبی رسوم ادا ہونے لگیں۔ اس
طریقہ میں اور فرقہ کے آباد ہونے سے فرقہ کا معبود مقامی معبود بن گیا
اور ہر مقدس یا متبرک مقام یا چیز پر اس فرقہ کے معبود کا جو اس کے چاروں
طرف آباد تھا۔ قبضہ ہو گیا۔ لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ جس مقام
پر معبود نے اپنی قدرت و طاقت کا ثبوت دیا وہاں جا کر اس معبود سے
مشورہ یا مکاشفہ حاصل ہو سکتا تھا۔ اکثر یوں بھی ہوتا تھا کہ معبود اپنے
معتقد کو سفر میں کسی دوسرے مقام پر بھی مل سکتا اور مکاشفہ دے سکتا تھا

جس طرح کہ یہوواہ نے یعقوب کو بیت ایل میں مکاشفہ دیا تھا۔ پس ایسی جگہ بھی متبرک مان لی جاتی۔ اور وہاں بھی اُس کی پرستش کے لئے ایک نشان مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ یعقوب نے مقرر کر دیا تھا۔ اور وہاں بھی دیوتا کی مرضی معلوم ہو سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ لوگوں میں یہ خیال بھی جڑ پکڑ گیا کہ ہر معبود ملک کے ایک خاص حصہ کا مالک ہے۔ اور اس کی عبادت اُسی حصہ میں ہوتی ہے۔ اس طرح خدا کی زمین بہت سے معبودوں میں بٹ گئی۔ اور اسی لئے نعمان جو یہوواہ کی عبادت اپنے ملک شام میں کرنا چاہتا۔ وہ یہوواہ کے ملک کی مٹی کو دو خچروں پر بار کر کے لے گیا تاکہ سرزمین شام میں اسرائیل کے خدا کا ایک چھوٹا سا ملک بنا سکے۔

سامی قوم اور آریہ قوم کے مذاہب میں فرق ہے۔ آریہ مذہب کا مرکز ایک خاندان ہوتا تھا۔ گھر کا الاؤ یا آتشکدہ قربان گاہ تھی اور خانگی معبود صرف مردہ بزرگوں کی ارواح تھیں۔ مگر سامی مذہب کا مرکز الاؤ نہیں تھا۔ مذہبی جماعت ایک خاندان نہیں بلکہ کل فرقہ تھا۔ مردہ بزرگوں کی عبادت اگرچہ ابتدا میں سامی قوم میں کی جاتی تھی۔ لیکن بہت جلد اُٹھ گئی۔ سامی لوگ مردہ بزرگوں کو طاقت سے محروم سمجھتے تھے۔ وہ ان کو محض سایہ خیال کرتے تھے۔ اس لئے اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور آیندہ دنیا یا آیندہ زندگی یا حیات بعد الموت کا خیال اُن کے ہاں کم پایا جاتا تھا مذہب کا تعلق صرف اسی دنیا کی زندگی کے ساتھ تھا اور موت کے بعد جس طرح زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح مذہب کا بھی ہو جاتا تھا۔ ہر شخص معبود کی صحبت کا لطف اسی زندگی میں اُٹھا سکتا تھا۔ موت کے بعد وہ کسی قربانی یا نذر میں نہ تو شریک ہو سکتا۔ اور نہ اس

کی خدمت کر سکتا اور نہ اس کی شکر گزاری کرنے کے قابل رہ سکتا تھا۔

سامی اقوام میں جس قربانی یا نذر کا رواج تھا۔ وہ خانگی نہیں تھی بلکہ کل فرقہ سے تعلق رکھتی تھی اور اس جگہ ادا کی جاتی تھی جو معبود کا مسکن سمجھا جاتا تھا یا جہاں اس کا نشان ہوتا تھا۔ جو حیوان قربان کیا جاتا تھا۔ اس کا خون معبود کے نشان سے لگایا جاتا تھا۔ ساتھ ہی اس خون کو اس کے پرستار بھی چھوتے تھے۔ اور خون کا چھونا اس بات کی علامت تھی کہ معبود اور اس کے پرستار خون کے ذریعہ ایک عہد میں بندھ گئے۔ چونکہ قربانی کا حیوان فرقہ کا ٹوٹم ہوتا تھا۔ اس لئے فرقہ والے یہ سمجھتے تھے کہ معبود اور عابد ایک ہی خون سے ہیں اور خون کے ذریعہ اپنے باہمی تعلقات یا رشتہ از سر نو مضبوط کرتے ہیں۔

سامی قوم کی قربانی کی اور خصوصیت یہ تھی کہ اس کے بعد ایک دعوت کا سامان کیا جاتا تھا۔ اور لوگ خیال کرتے تھے کہ معبود خود دعوت میں شریک ہے۔ اس کا حصہ قربان گاہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اور جب لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ معبود اس زمین پر نہیں بلکہ عالم بالا پر رہتا ہے۔ تو اس کا حصہ آگ میں اس خیال سے جلایا جاتا تھا کہ ہوا کے ذریعہ اس شے کی خوشبو معبود تک پہنچ جائے گی۔ ایسی دعوت کی بہت سی مثالیں عہد عتیق میں درج ہیں۔ دعوت کے بعد جشن کیا جاتا تھا۔ اور عابد اپنے معبود کی درگاہ یا بارگاہ کے آگے ناچتے اور گاتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں اسرائیل میں قربانی کے بعد دعوت اور پھر دعوت کے بعد جشن کیا جاتا تھا۔ اور چونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ قربانی کے ذریعہ عابد و معبود کا باہمی تعلق زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور وہ ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی حفاظت خود کرنے کے خیال کو دل سے دور رکھ کے خوشی میں تھرکنے۔ ناچنے

گانے لگتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اُن کی یہ حرکات معبود کو مرغوب ہیں۔ اس لئے ان میں اُن کو ایک گونہ لطف اور خوشی معلوم دیتی تھی۔ اور بعض اوقات تو وہ مست و مگن ہو جاتے تھے +

اس قسم کی مسرت یا خوشی صرف سامی اقوام ہی کا حصہ نہ تھی۔ بلکہ دنیا کے کل ابتدائی مذاہب کے معتقدوں کا بھی حصہ تھی۔ سامی لوگ مذہب کو شخصی یا ذاتی مسرت نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ کل فرقہ کی مسرت خیال کرتے تھے۔ گناہ کا ابتدا میں کوئی خیال نہیں پایا جاتا تھا۔ اور اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو اس کی تلافی قربانی ہی سمجھی جاتی تھی۔ یہ باتیں بھی نہ صرف سامی ہی قوم کا خاصہ تھیں۔ بلکہ سارے ابتدائی مذہبوں کا خاصہ تھیں +

سامی مذہب کا اصلی خاصہ یہ تھا کہ اُس میں صرف اُنہی معبودوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ جن سے عابدوں کا رشتہ قایم ہو جاتا تھا۔ معبود کل فرقہ کا باپ اور مالک اور ان کا عزیز اور اُن کے خون سے بنا ہوا ان میں سب سے بڑا۔ اور سب سے طاقتور شخص سمجھا جاتا تھا۔ وہ اُن میں سے تھا اور اُنہی کے لئے۔ نہ کہ غیروں میں سے اور غیروں کے لئے پس جو معبود ساميوں کے معبود کی مانند انسان کا مالک اور فرقہ کا سرغنہ خیال کیا جاتا۔ اُس کا اثر اُس کے اوپر آسمان یا موسم کے دیوتا سے یا مردہ بزرگ کی روح سے زیادہ ہوتا تھا۔ کیونکہ ان میں موسمی تبدیلی سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ ان کی خواہشوں اور ارادوں میں تبدیلی ہونے کا شبہ ہو سکتا تھا۔ اس حالت میں بھی سامی مذہب ایک حقیقی شے تھا۔ اور عمدہ مواقع ملنے سے وہ ایک بڑی طاقت و اختیار و حکمرانی والا بن سکتا تھا +

# کنعانیوں اور فینکیوں کا مذہب

جب اسرائیل کی اولاد دریائے یردن کو پار کر کے سرزمین فلسطین میں آباد ہوئی تو اُس نے وہاں ایک ایسی قوم کو آباد پایا کہ جو اُنہی کی سی زبان بولتی تھی اور جو اُن کی نسبت زیادہ شایستہ اور مہذب تھی۔ اگر زمانہ مابعد کے اسرائیلی کنعانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اُن کو کسی ذلیل قوم میں سے سمجھتے تھے۔ مگر اصل میں ان دونوں قوموں میں ایسا کوئی فرق نہیں پایا جاتا تھا۔ بلکہ دونوں ایک ہی نسل سے تھے۔ اُن کے بہت سے خیالات اور رسوم مشترکہ تھے مذہبی باتوں میں بھی دونوں کے خیالات یکساں تھے۔ ورنہ قوم اسرائیل مغلوب فرقہ کی رسوم کو نہ تو اتنی دیر تک اور نہ ایسی مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہتے۔ ملک کنعاں پر نہ صرف اسرائیلیوں ہی نے فوج کشی کی بلکہ فینکیوں فلسطیوں۔ اور عبرانیوں نے بھی۔ اُن میں سے اول اور سویم تو سامی النسل ہیں ہی اور شاید دوم بھی ہیں۔ فلسطی جو بحر روم کے جنوب مشرقی گوشہ میں آباد تھے۔ اُن کا مذہب سامی ہی تھا۔ اور اُن کے معبودوں میں سے دجون (مچھلی کا دیوتا)۔ بعل جو عفرون میں تھا۔ اور عستارت جو اسقالون میں تھی۔ بڑے مشہور معبود گزرے ہیں۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد فلسطیوں نے اپنے ذاتی خواص کو بالکل ترک کر دیا۔ اُن کا ذکر آگے چل کر آئیگا۔ فینکی جو ملک شام کے شمالی ساحل پر آباد تھے۔ اُن کو کئی بندرگاہ بنانے کا موقع ملا۔ اور وہ بڑے اولوالعزم تاجر بن گئے۔ اُنہی کے ذریعہ مغرب و مشرق کی سلطنتوں میں سلسلہ رسل و رسایل جاری رہا۔ وہ ادھر مشرق میں مصر اور ادھر مغرب میں جزائر یورپ سے تجارت کرتے رہے۔ اُن کے ذریعہ یورپ میں مشرق کی تجارتی چیزوں کے علاوہ مشرقی خیالات

بھی جا پہنچے جنہوں نے آریہ قوم کی نسل کو بیدار کر دیا ؛
اگرچہ کنعانیوں اور فینیکیوں کے مذہب میں کوئی بات جلی نہیں تھی اور نہ کوئی ایسی بات تھی جو دیرپا کہی جائے۔ تاہم اُن سے اُن مذاہب کو جو بعد میں زبردست اور بڑے مذہب مشہور ہوئے بہت کچھ نفع پہنچا۔ کنعانیوں کے مذہب کی مخالفت اور مقابلہ میں اسرائیلیوں نے اپنے اصلی مذہب کی اصلی فطرت کو معلوم کر لیا۔ فینیکیوں ہی سے اسرائیلیوں اور یونانیوں دونوں نے عبادت اور دیگر مذہبی رسوم کے متعلق بہت سی ظاہری اور باطنی یا بیرونی اور اندرونی امور کو لیا ؛

**کنعانیوں کا مذہب**۔ اس مذہب کا ذکر عہد عتیق میں مفصل طور پر درج ہے۔ وہ سامی اقوام کا مذہب ہے۔ مگر کنعانیوں نے اس میں کچھ ترقی کر لی تھی۔ اُس میں ایک نظر نہ آنے والے معبود کا بیان ہے۔ جس سے اس کے عابد ایک متبرک جگہ قربانی یا نذر کے ذریعہ ملاقات کرتے اور جشن مناتے تھے۔ اُن کا معبود بعل تھا۔ اصل میں لفظ بعل کسی معبود کا نام نہیں۔ بلکہ لقب ہے۔ نام تو کچھ اور ہی ہے۔ مثلاً بعل پیور یعنی پیور کا مالک لفظ بعل کے معنی مالک یا آقا کے ہیں۔ ہر جگہ ایک بعل کی عبادت کی جاتی تھی۔ عبادت گاہ شہر یا گاؤں کے باہر ہوتی تھی۔ وہ کسی ایسی جگہ بنائی جاتی تھی جو یا تو قدرتی طور پر اونچی ہوتی یا اونچی بنا دی جاتی تھی عبادت گاہ میں وہ شے جس کی عبادت کی جاتی کوئی پتھر ہوتا تھا۔ نہ کہ معبود کی صورت جو گھڑ کر بنائی جاتی تھی۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ معبود اپنے عابد سے ملاقات کرنے کے لئے اس پتھر پر آجاتا تھا۔ نذر کی چیزیں یا خون پتھر پر چڑھایا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے معبد میں ایک سوئی پینڈ والا درخت نصب کیا جاتا تھا۔ یہ درخت بعض بعض جگہ اب تک موجود ہے۔ وہ بیوی اور بعل

کی رفیق و ہمدم سمجھی جاتی تھی۔ اُسے عشیرہ کہتے تھے۔ مگر یہ لفظ دراصل دیوی کا نام نہیں بلکہ لقب تھا۔ کیونکہ وہ ہر دیوی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

جب سامیوں نے بابل کو فتح کیا تو اُنہوں نے اس ملک کے بہت سے معبودوں کے نام مونث رکھ دئے۔ کنعان میں ایک جوڑے کی جس میں دیوتا اور دیوی دونوں شامل تھے عبادت کی جاتی تھی۔ ہر مندر میں ایک دیوتا اور ایک دیوی ہوتے تھے۔ کنعان میں جسطرح بعل زمین کا مالک اور زرخیزی پھیلانے والا سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسے فصل یا پیداوار کا پہلا پھل نذر کیا جاتا تھا اُسی طرح عشیرہ بھی زرخیزی کی پھیلانے والی مانی جاتی تھی۔ بعل کی عبادت گاہ پر کھیت کا پھل۔ پہلا میوہ اور روغن نذر کیا جاتا۔ یہ نذر ہر موسم میں.... گزرانی جاتی تھی۔ اسی طرح عشیرہ دیوی کو بھی نذر چڑھائی جاتی تھی اور اس رسم کے ادا کرنے کے لئے ہر معبد میں بہت سی خادمہ رہتی تھیں۔ نذر کے بعد جشن منایا جاتا اور عابد گاتے اور ناچتے تھے۔ سامی مذہب میں ایک ایسی دیوی کی بھی عبادت کی جاتی تھی۔ جس کی عبادت کے مندر میں ناپاک رسوم ادا ہوتی تھیں۔ اس دیوی کے مختلف نام رکھے گئے تھے کنعان میں جو عبادت مروج تھی اُس نے اسرائیلیوں کو بڑی آزمایش میں ڈال دیا۔ ہونا۔ مگر وہ اُس سے بچے رہے اور ترقی کر گئے۔

**فینکیوں کا مذہب۔** اس قوم میں ایسے معبودوں کا رواج ہوگیا جن کے خواص اعلےٰ درجہ کے تھے۔ فینکیوں کا مذہب کوئی ابتدائی مذہب نہیں تھا۔ بلکہ اس کی بنیاد سامی اقوام کے مذہب پر ڈالی گئی تھی۔ سامیوں کے مذہبی خیالات ہی سے اس قوم کا مذہب پیدا اور رائج ہوا تھا۔ مگر ان خیالات سے جو فینکی قوم نے مختلف اقوام کے ربط ضبط سے حاصل کئے تھے اس میں ترقی اور قدرے اصلاح کر لی تھی۔ اور اس

اصلاح کے سبب یہ پتہ لگانا دشوار ہو گیا ہے کہ انکا مذہب اصل میں کیا اور کیسا تھا۔ ایک شہر میں اور معبود تھے۔ دوسرے میں اور تھے۔ وہ پہلے شہر کے معبودوں سے بالکل ہی مختلف تھے۔ گویا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ تاہم ان مذہبی خیالات یا باتوں میں سے ایسی باتیں نکالی جا سکتی ہیں جو فینیکی مذہب کا خاص خاصہ ہوں اور جن کا دوسرے لوگوں کی رسوم عبادت پر بہت کچھ اثر پڑا ہو۔

فینیکی ایک سلطنت اور ایک مذہب کے قایم کرنے کے بڑے ہی شایق تھے۔ اور اس کے لئے انہوں نے بہت کچھ کوشش بھی کی۔ اس قوم نے جو "شہروں کی حکومتیں" صور۔ صیدا اور کارتھج میں قایم کیں۔ ان میں ایک جمہوری سلطنت اور ایک امامت کی پر اثر اقتدار کے آثار پائے جاتے تھے۔ سامی مذہب کا خاصہ ہے کہ وہ جُوں جُوں ترقی کرتا ہے تُوں تُوں اس کا رعب اور سختی بڑھتی جاتی ہے۔ اور فینیکیوں نے اگرچہ وہ ایک دیوی اور دیوتا کے قایل تھے۔ تاہم انہوں نے اپنی عبادت کو ایک سی الہی صفات رکھنے والے معبود پر موقوف رکھنے کی کوشش کی۔ اور اس معبود سے خوف کھانے۔ اور اس کے نزدیک جانے سے گھبرانے لگے بعل اور عشیرہ جن کی عبادت کسانوں میں رائج تھی وہ ایک بڑے شہر کے لئے موزوں نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے شہر کے لئے ایک زیادہ شاندار معبود کی ضرورت ہوئی۔ اس طرح ایک دیوتا کا جس کا نام ملیچ تھا۔ اور جس کے معنی بادشاہ کے ہیں ظہور ہوا۔ یہ دیوتا زیادہ رعب دار تھا۔ اور اسے زیادہ شان دار خدمت یا سیوا کی ضرورت ہوئی۔ لیکن ملیچ بھی کسی خاص دیوتا کا نام نہیں ہے بلکہ لقب ہے۔ اور جس طرح بہت سے معبود بعل کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ اسی طرح بہت سے معبود ملیچ کے نام سے بھی۔ اور ایسے معبود نہ صرف فینیکیوں ہی میں پائے

جاتے ہیں۔ بلکہ اُسی زمانہ میں دیگر سامی قوموں اور فرقوں میں بھی +
ملیح جو صور و صیدا کا معبود تھا۔ وہ موآب اسرائیلیوں اور انہوں کے
خاص اور بڑے معبودوں کے سے خواص رکھتا تھا۔ وہ کاشتکاروں ہی
سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ سلطنت اور ملک کی حکمرانی سے بھی۔ وہ
ایک سلطنت کا بانی تھا۔ وہ سب سے پہلا بادشاہ تھا۔ جب اس کے
ملک کے لوگ دوسرے ملک میں نوآبادی قایم کرتے تو وہ اسکی منظوری
سے قایم کرتے تھے۔ وہ خود ان کے ہمراہ جاتا تھا۔ اس سے لوگ بہت ہی
ڈرتے تھے۔ اور کوئی بھی اس کی حکم عدولی نہیں کرتا تھا۔ وہ کل ملک کی
طاقت۔ حوصلہ مندی۔ اولوالعزمی۔ حکومت اور رعب داب کا مرکز سمجھا جاتا
تھا۔ چونکہ یہ معبود کسانوں کے معبودوں سے زیادہ افضل اور برتر ہوتا تھا۔ اس لئے
وہ اس کے خواص میں بھی اختلاف ہوتا تھا۔ صور و صیدا کے بڑے معبود
نہایت سخت اور خوفناک معبود تھے اور اُن تک لوگ بڑی احتیاط کے
ساتھ جاتے تھے۔ اگرچہ ابتدا میں وہ زندگی عطا کرنے والے مانے جاتے
تھے۔ لیکن بعد میں جان لینے والے مانے جانے لگے تھے۔ وہ بذات خود پاک
اور مقدس تھے۔ اس لئے یہ توقع کرتے تھے کہ اُن کے پاس لوگ پاکیزگی
صفائی اور تقدس کے ساتھ جائیں۔ اُن کے پوجاری مجرد اور پارسا ہوتے
تھے۔ اور پوجارنیں کنواری اور پاکدامن۔ اُن کی قربانیاں اور نذریں بھی
بعل کی قربانیوں اور نذروں کی نسبت زیادہ شاندار زیادہ ہیبت اور
زیادہ قیمتی ہوتی تھیں۔ ان کو زیادہ تر انسان کی قربانی گذرانی جاتی تھی
اور جب قوم اسرائیل نے فینکیوں کے معبودوں کی عبادت اور اُن کی
مذہبی رسوم اختیار کیں تو وہ اپنے بچوں کو جلتی آگ میں سے گذارتے تھے
گویا اُنکی سوختنی قربانی گذرانتے تھے۔ ملیح دیوتا ایسی قربانی کا طلبگار تھا جس میں زیادہ
خرچ پڑتا تھا اور جس سے عبادت کے وقت لوگوں کے دل خوف سے بھر جاتے

تھے۔ یہاں تک کہ پہلوٹھے بھی اسے نذر دئے اور قربانی چڑھائے جاتے تھے جیسا کہ کتاب مقدس کے اکثر مقامات سے صاف عیاں ہوتا ہے +

یہاں تک تو فینکی معبودوں کی ابتدا نہایت سیدھی سادی ہے وہ بالکل سامی معبودوں کی مانند تھے۔ جن کے خواص انسانی حکمرانوں کے سے تھے۔ یہ تو عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی سلطنت ترقی کرنے لگتی ہے۔ تو جب تک اس میں تہذیب وشائستگی نہیں آتی۔ اس وقت تک اس کا مذہب سخت اور وحشیانہ رسوم کا مجموعہ ہوتا ہے چنانچہ فینکی معبود کچھ اسی قسم کے اور وحشیانہ رسوم کے شایق تھے۔ چونکہ سامی اقوام حقیقت کے قائل اور عملی باتوں کے ماننے والے تھے۔ اس لئے اُن کے دیوتا بھی اسی قسم کے تھے جس قسم کے ان کے بادشاہ یا حکمران۔ اور بادشاہوں یا حکمرانوں کی مانند وہ بھی نذروں کے طالب تھے۔ اس طرح ایک سخت اور وحشیانہ مذہب وحشیانہ حالت کے گذر جانے کے بعد بھی قایم رہتی ہے اور معبود کے حکم سے قدرتی خیالات وجذبات کے پامال کرنے اور ایسی خوفناک رسموں کے ادا کرنے میں جن کے دیکھنے سے طبیعت نفرت کرتی اور آنکھوں کو بے لطفی ہوتی یا جن کو دیکھنے کی انسان کو تاب نہیں ہوتی۔ بڑی خوشی اور مسرت منائی جاتی ہے +

فینکی اجسام فلکی کو بھی معبود مانتے تھے۔ فینکی مذہب کی جملہ باتوں کو ایک ترتیب میں لانا آسان کام نہیں ہے معبود علاوہ فرقہ یا قوم کے حاکم اور سرپرست ہونے کے کچھ اور بھی ملنے اور سمجھے جاتے تھے۔ اُن کا تعلق اجسام فلکی کے ساتھ قرار دیا جاتا تھا۔ اور سب سے بڑا معبود خواہ اُس کا کوئی نام کیوں نہ ہوتا۔ مگر وہ آفتاب یا آفتاب کا مظہر مانا جاتا تھا۔ گویا آفتاب ہی سمجھا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ آفتاب کا دیوتا فینکیوں میں مصر یا بابل سے آیا ہوگا۔ مگر اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ خود اُن

میں شروع ہی سے آفتاب کے دیوتا کا وجود کیوں نہ تھا جس طرح اور دیوتا کی ایک دیوی رفیق صادق تھی۔ اُسی طرح آفتاب کی بھی تھی۔ بعض اوقات اس کی رفیق یا بیوی زمین مانی جاتی تھی۔ اور بعض اوقات ماہتاب بیوی مانا جاتا۔ اس لحاظ سے ماہتاب کا نام عستارات رکھا گیا۔ مگر اس میں اور دوسری عستارات کے خواص میں فرق ہے۔ وہ دیگر سامی دیویوں کی مانند پاک دامن خیال کی جاتی تھی۔ اس کی عبادت کا ذکر یرمیاہ نبی کی کتاب میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے زمانہ میں یروشلم کی عورتیں اس کے نام کی روٹیاں پکاتی اور اُسے آسمان کی ملکہ سمجھ کر اُس کے نام پر خوشبو جلاتی اور پانی اور روٹی کی دھار چڑھاتی تھیں۔ ان باتوں کا علم اُن کے خاوند دیوتاؤں کی مرضی۔ علم اور شرکت کے ساتھ انجام پاتا تھا۔ اس لئے عبادت میں کوئی بات خلاف اخلاق نہیں کی جاتی تھی۔ مگر عستارات اور بابل کی دیوی آستر میں فرق ہے کیونکہ دونوں دوجدا جدا دیویاں تھیں۔ اور دونوں کے اوصاف و اخلاق بالکل جدا جدا تھے۔

فینکی میں ایک اور قسم کی پرستش بھی مروج تھی۔ اس کو کابیری کی عبادت کہتے تھے۔ کابیری کے بہت سے شہروں میں معبد بنے ہوئے تھے۔ مگر اُس کی عبادت خفیہ طور پر کی جاتی تھی۔ قدیم زمانہ میں بھی اس کا بہت کم حال معلوم تھا۔ کابیری تعداد میں سات تھیں اور ان کا تعلق سات سیاروں سے نہیں۔ بلکہ علم ہیئت کے ابتدائی سات اجسام یا طبقات فلکی سے مانا جاتا تھا۔ اُن کا سرغنہ آٹھویں طبقہ کا دیوتا آشمن تھا۔ کابیری فانی تھیں۔ وہ صدیق کی اولاد میں سے تھیں اور فانی انسانوں کو صلاح و مشورہ دیتی تھیں۔

معبود کی عبادت یا پرستش یا قربانی یا نذر کا تعلق سلطنت سے بہت گہرا تھا۔ یہ باتیں گویا سلطنت کے فرائض سمجھی جاتی تھیں اور ان ملکوں

میں بادشاہ اور سردار پوجاری ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا۔ اسی باعث کوئی مذہبی ترقی ممکن نہیں تھی کیونکہ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ جہاں خدا کی تعلیم کسی معبود کی حکومت ہو وہاں مذہب کیا ترقی کر سکتا تھا اور اس سبب سے مصلحان اور انبیا کا اثر و کوشش بیکار تھا +

بنی اسرائیل فینیکی فنون و دستکاری کے بہت ممنون ہیں۔ صتور کے معماروں نے حضرت سلیمانؑ کا عالیشان محل تیار کیا تھا۔ اُس میں ایک عالیشان مندر نواحی ملکوں کی شان و شوکت اور نزاکت و نفاست کے لحاظ سے بنایا گیا تھا اور اسی جگہ کی عمارتوں کو دیکھ کر ایک یا دو صدی بعد یونانیوں نے فن عمارت میں بہت سی نئی باتیں جاری کیں اس لئے حضرت سلیمانؑ کی ہیکل اور یونان کا مندر ایک ہی سے تھے۔ اور دونوں اصل میں مصریوں کے فن عمارت کا نمونہ تھے۔ کیونکہ اس فن کو مصریوں سے فینیکیوں اور فینیکیوں سے یونانیوں نے سیکھا تھا۔ اسرائیلیوں کے امام فینیکیوں کے پوجاریوں کی سی پوشاک پہنتے تھے۔ وہ ان ہی جانوروں کی قربانی چڑھاتے تھے۔ جن کی قربانی صور و صیدا میں چڑھائی جاتی تھی +

مذکورہ بالا تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا مذہب، ملک شام کی دیگر اقوام کے مذہب کی مانند تھا مگر اُنہوں نے اس مذہب کو اصلاح کے ذریعہ زیادہ عمدہ بنا لیا تھا۔ جس کے لئے اُن کو بہت کوشش کرنی پڑی تھی +

## اسرائیلیوں کا مذہب

عہد عتیق یا پرانا عہد نامہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں بنی انسان

نوٹ۔ اس مضمون میں کئی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں جس کے ساتھ عموماً مسیحیوں کو

کے ابتدائی مذہب کے کوائف وخیالات درج ہیں۔ ابتدائی پرستش اور سامی النسل اقوام کے مذہب کے متعلق ہم نے بہت سی باتیں اُس میں سے لی ہیں۔ اس مضمون میں ہم اسرائیلیوں یا دوسرے لفظوں میں عہد عتیق کے مذہب کا ذکر کرینگے جس میں یہ دکھائینگے کہ اس مذہب کا خاص خاصہ کیا تھا۔ یہودیوں نے بڑی جد وجہد کے ساتھ اُس مذہب کو حاصل کیا جس کے حاصل کرنے کی تمام اقوام کو خواہش ہوتی ہے وہ مذہب مسیحی مذہب کا ایک زینہ سمجھو +

عہد عتیق کی کتابیں جیسی کہ موجودہ حالت میں پائی جاتی ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ یہودیوں کے علم ادب کی سب سے پہلی کتابیں موسیٰؑ کی پانچ کتابیں تھیں۔ اور مذہبی رسوم۔ اخلاقی اور سوشل فرائض یہودیوں کی تاریخ کی ابتدا ہوتے ہی قایم ہو چکے تھے۔ دیگر کتابیں اس کے بعد میں قلمبند کی گئی تھیں۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ لوگوں کا یہی خیال تھا جو ابھی ہم ظاہر کر چکے ہیں۔ لیکن عہد عتیق کی کتابوں کے بہت سے زبردست عالموں نے بڑی تحقیقات اور کوشش کے بعد اب یہ رائے قایم کی ہے اور جسے اکثر تسلیم کرتے ہیں کہ سب سے پہلے صحیفِ انبیاءؑ قلمبند کئے گئے۔ اور موسیٰؑ کی کتابیں جن میں مختلف زمانوں سے تعلق رکھنے والے اصول وقوانین پائے جاتے ہیں۔ اور جو مختلف زبانوں اور ملکوں کے قصص اور روایات کا مجموعہ ہیں وہ بنی اسرائیل کے بابل میں جلاوطن کئے جانے کے بعد قلمبند کی گئی تھیں۔ اس کے بعد میں تاریخی کتابیں لکھی گئیں اور سب کے اخیر میں زبور۔ اخلاقی اور فلسفیانہ کتابیں ایوب کی کتاب وغیرہ۔ اس لئے مورخ عہد انبیاء سے جو مسیحؑ سے آٹھ سو سال

بقیہ نوٹ صفحہ ۵: اتفاق نہیں ہے۔ مگر چونکہ تاریخ مذہب میں محض عالمانہ اور آزاد پہلو سے ہر ایک مذہب پر نظر کی گئی ہے۔ اس لئے مصنف کتاب ہٰذا کے خیالات سے تعرض نہیں کیا گیا +

پہلے کا ہے شروع کرتے ہیں صحف انبیاءؑ جس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اُن میں اس زمانہ کے حالات کی ایک بولتی چالتی اور جیتی جاگتی تصویر پائی جاتی ہے۔ ان ہی سے کوئی شخص یہ معلوم کرسکتا ہے کہ بنی اسرائیل پر قدیم زمانہ میں کیا کیا گزرا۔ اگرچہ اسرائیلیوں کے زمانہ مابعد کی تاریخ میں بہت کچھ کتر بیونت ہوگئی ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس سے تو کسی قوم کی تاریخ بھی نہیں بچ سکی +

اب ہم بنی اسرائیل کے مذہب کا جیسا کہ وہ زمانہ حال کی کامل تحقیقات کی رو سے ثابت ہوتا ہے ایک تاریخی خاکہ کھینچتے ہیں +

قوم اسرائیل ابتدا میں بہت سے ایسے فرقوں کا مجموعہ تھی جنھوں نے ایک بڑے واقعہ سے جو اُن سب پر واقع ہوا تھا مخلصی پائی تھی اور جنگ و جدل (جس میں وہ پہلو بہ پہلو لڑے تھے) کی یادگار میں ایک متحد قوم بن گئی تھی۔ وہ آزاد تھی اور چرواہوں کا پیشہ کرتی تھی۔ ملک مصر میں وہ غلامی کی زندگی بسر اور سخت محنت کے کام کرتی رہی۔ مگر ایک سرغنہ کے باعث جس نے اُن کو اُن کے مذہبی قصص اور افسانے سُنا کر اُن کے دلوں میں بہادری کی آگ بھڑکا دی تھی اس غلامی سے رہائی مل گئی تھی۔ اسی سرغنہ کی نگرانی میں قوم اسرائیل مصر سے روانہ ہوکر خاکنائے سینا میں چلی گئی۔ اور اس ملک کے شمالی حصہ تک جا پہنچی۔ یہاں تک کہ اُس نے وہ ملک فتح کرلیا جو دریائے یردن کے مشرق کو واقع ہے۔ اس ملک میں بہت سے اسرائیلیوں نے سکونت اختیار کرلی۔ مگر بہتوں نے دریائے یردن کو عبور کیا اور کنعانی فرقوں میں جو اُنہیں اُس ملک میں ملے سکونت اختیار کی +

اسی زمانہ میں قوم اسرائیل میں قومیت اور مذہب کی بنیاد پڑی اگرچہ ہر فرقہ اپنے معبود کی عبادت کرتا اور اپنے مذہبی رسوم ادا کرتا رہا۔

لیکن وہ معبود جسے حضرت موسیٰ نے اُن کا معبود قرار دیا اُس نے اسرئیلیوں کے دلوں میں ایک ایسی سرگرمی اور جوش پیدا کر دیا جو ان میں پہلے نہیں پایا جاتا تھا۔ اُس کا نام یاہویہ (یہوواہ) تھا۔ اور حضرت موسیٰ نے قوم اسرائیل سے یہ کہا تھا کہ یہوواہ ہمیشہ تمہارے ساتھ اور تمہارا شریک حال رہیگا۔ اس لئے اُنہوں نے اُسے اپنا معبود مان لیا۔ یہوواہ غالباً موجودات ایزدی کے معبودوں میں سے تھا۔ اُس کا تعلق طوفان آندھی۔ پانی۔ اور بادلوں کی گرج سے تھا۔ اس کا مسکن کوہ سینا سمجھا جاتا تھا۔ قوم اسرائیل اس سے مشورہ لینے کے لئے اُسی جگہ جایا کرتی تھی۔ اور زمانہ مابعد میں جیسا کہ قوم اسرائیل کا خیال تھا وہ اُسی پہاڑ پر سے اپنے لوگوں کے لئے بڑے کارنمایاں کرنے کے لئے اُترتا تھا۔ وہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کا مسکن تاریکی اور بادل خیال کئے جاتے تھے۔ بادل کی گرج۔ بجلی کی کڑک اور ہوا و پانی کا طوفان اُس کی آواز مانی جاتی تھی۔ لوگ اُسے بڑا طاقتور جانتے تھے۔ اُس کے زور و طاقت کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہ طاقت جنگ میں آشکارا ہوتی تھی۔ وہ جنگ میں اپنے لوگوں کے ساتھ اور اُن سے آگے آگے چلتا تھا۔ اور اپنے زور و طاقت میں سے اُن کو حصہ دیتا اور بہرہ ور کرتا تھا۔ اور اپنے لوگوں کی اخلاقی اور سوشل زندگی میں حصہ لیتا تھا اور اُن کو مشورے دیتا تھا۔ جو انسان اُس کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا وہ اُس کی روح کی مدد سے اُن جھگڑوں کو جو اس کے سامنے پیش کئے جاتے تھے فیصل کرتا تھا۔۔ اور مشکل و اہم معاملات پر حکیمانہ مشورے اور رائیں دیتا تھا۔ اسی باعث بنی اسرائیل خیال کرتے تھے کہ یہوواہ اُن کے افعال و کردار کو برابر دیکھتا رہتا ہے۔ اور اُن کے خانگی معاملات میں اُن کی مدد اور رہنمائی کرتا ہے۔ اور اُن کے

دشمنوں کے مقابلے میں اُن کو فتح مند بناتا ہے ۔

بنی اسرائیل کی ابتدائی مذہبی رسوم اور عبادت کے طریقے سیدھے سادے تھے ۔ اُن میں کوئی تزک و احتشام نہیں پایا جاتا تھا ۔ مذہب اُسی وقت مکمل ہوتا ہے جبکہ وہ قومی مذہب ہو جاتا ہے اور جب کہ کل قوم کا ایک بڑا معبود فرقوں کے معبودوں پر سبقت لے جاتا ہے لیکن بنی اسرائیل میں مذہب نے یہ شکل بہت مدت بعد اختیار کی مصر میں غلامی میں پڑنے تک اُن کی مذہبی رسوم میں کوئی شان و شوکت نہیں پائی جاتی تھی ۔ بلکہ اُن میں اس عبادت کا رواج تھا جو عزرا نے یروشلم کے دوسرے مندر میں جاری کرنے کی کوشش کی تھی ۔ ویرانہ کی عبادت کچھ اور ہی قسم کی تھی ۔ اُسی طرح ملک کنعان میں آنے کے بعد عبادت بنی اسرائیل ...... میں رائج تھی وہ بھی اور ہی طرز کی تھی ۔ وہ عبادت دراصل یہ تھی کہ ایک دعوت منعقد کی جاتی تھی ۔ جس میں کسی قسم کا کھانا پکایا جاتا تھا ۔ بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ ان کا معبود دعوت میں شریک ہے ۔ اور عابد و معبود ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور سمجھتے تھے کہ اُن میں اور اُن کے معبود میں مصالحت قائم ہے ۔

ملک کنعان میں داخل ہونے کے بعد بنی اسرائیل کو معلوم ہوا کہ کنعانی رسوم عبادت و تہذیب میں اُن سے بڑھ چڑھ کر ہیں ۔ اگرچہ اُن کی زبان وہی تھی جو بنی اسرائیل کی اور وہ اُسی نسل سے تھے جس سے کہ بنی اسرائیل ۔ مگر اُنھوں نے زراعت اور شہری زندگی میں خاصی ترقی کر لی تھی ۔ اگرچہ اصولاً تو اُن کی عبادت وہی تھی جو بنی اسرائیل کی مگر اُس میں اُنھوں نے قدرے تہذیب اور خوبی کو داخل کر لیا تھا ۔ ملک کنعان میں بہت سے مقامات متبرک مانے جاتے تھے جن کی

زیارت ہوتی تھی۔ اور جہاں عبادت بڑے ذوق شوق کے ساتھ کی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل ان باتوں کے بھی قایل تھے۔ لیکن جو موقعے اور اوقات عبادت کے لئے مقرر تھے ان سے بنی اسرائیل ناواقف تھے۔ کنعان میں چھوٹے چھوٹے تہواروں کا وقت رویت ہلال یا ہفتہ کے دنوں سے مقرر کیا جاتا تھا۔ اور بڑے تہوار فصل کے موقعوں پر منائے جاتے تھے۔ اُن میں لوگ بڑے ذوق و شوق اور جوش و سرگرمی کے ساتھ شریک ہوتے تھے ؂

بنی اسرائیل کنعانیوں کے مذہبی رسوم کو اختیار کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ زراعت کا پیشہ اختیار کر لینے سے اُن کو فصلی تہواروں اور کنعانیوں کے معبود بعل کو بھی ماننا پڑتا تھا۔ مگر اُن کو یہوواہ کی پرستش کو بھی اُسی طرح قائم رکھنا ضروری تھا جس طرح کہ اہل کنعان بعل کی عبادت کو رکھتے تھے۔ پس اُنہوں نے یہوواہ کے بت اور مورتیں قائم کیں۔ ان میں سے ایک کو حزقیاہ نبی نے تباہ کیا تھا۔ بعض مقامات میں یہوواہ کی پرستش ایک بچھڑے کی شکل میں کی جاتی تھی۔ اور جہاں کہیں اُس کی مورت ہوتی تھی وہاں لوگ چٹھیوں کے ذریعے یا دیگر ذرایع سے اس کا مکاشفہ حاصل کیا کرتے تھے یہوواہ کا صندوق جسے عہد کا صندوق کہتے ہیں ایک بڑے معبد میں رکھا رہتا تھا۔ وہ اس کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ جنگ کے وقت بنی اسرائیل اُسے اپنے ہمراہ لے جاتے اور خیال کرتے تھے کہ یہوواہ اُن کے ساتھ ساتھ ہے ؂

جب اسرائیل کے فرقے کنعان کی سرزمین میں جابجا آباد ہو گئے تو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ کنعانیوں کے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے اس لئے اس بارہ میں مختلف فرقوں میں ایک نزاع پیدا ہو گیا جو

جلاوطنی کے وقت جاکر ختم ہوا۔ بعض فرقے صرف یہوواہ ہی کی عبادت کو روا رکھنا اور اسے ترقی پر دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر بعض اسکے ساتھ کنعانیوں کے معبودوں کی عبادت کو بھی روا رکھنا چاہتے تھے لیکن باوجود ان باتوں کے بھی بنی اسرائیل نے یہوواہ کی عبادت کو بالکل ترک نہیں کیا۔ کیونکہ جب لوگ یہوواہ کو بھول جاتے اور دشمنوں سے مغلوب ہونے لگتے تو کوئی شخص جو یہوواہ کا دل وجان سے معتقد ہوتا اُنکے دلوں میں پھر اسکی محبت کو قایم کر دیتا۔ اور اُسکے نام سے جنگ شروع کی جاتی یہاں تک کہ سارے فرقہ جوق جوق اُن کے جھنڈے کے تلے آجاتے اور اسطرح جوش میں بھر کر اپنے ستانے والے کی گرفت سے باہر نکل جاتے اس نئے مذہب اس قسم کے خواص رکھتا تھا اُسکے کبھی گرجانے یا نیست و نابود ہو جانے کا اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اسکا تعلق ایک قوم کی گزشتہ تاریخ۔ اُن کی فتوحات اور اُن کے کارہائے نمایاں کے ساتھ تھا ۔

بنی اسرائیل میں بہت سے ایسے بہادر اور سورما گزرے ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً اس قوم کے لوگوں کے دلوں کو یہوواہ کے نام پر جمع ہو کر جنگ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا تھا۔ ان لوگوں کے بعد بنی اسرائیل میں ایک بادشاہت قایم ہوئی۔ جس کی بنیاد مذہبی جوش پر تھی۔ اور یہوواہ کی عبادت ملکی مذہب قرار دیا گیا۔ اور بنی اسرائیل ایک منتشر قوم کی جگہ متحد قوم بن گئی۔ یہوواہ ان کا سب سے بڑا معبود۔ اُن کا بادشاہ۔ اُن کا منصف اور اُن کا جگری دوست ہوگیا۔ اُس نے اسرائیل کو اپنی قوم بنا لیا اور کارہائے نمایاں کے ذریعے اُن کو ایک بڑی زبردست قوم بنا دیا جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی +

یہوواہ کے عروج اور اُس کی عبادت کے ملکی مذہب قرار پانے کے بعد بھی بنی اسرائیل متبرک مقامات کی زیارت کرتے رہے اور

یہوواہ اور بعل دونوں کی عبادت جاری رہی۔ قربانی یا نذر کسی قسم کی اور کئی طریقوں میں گزرانی جاتی تھی۔ اور چونکہ آسمان یہوواہ کا مسکن قرار دیا جاتا تھا۔ اس لئے قربانی میں سے اُس کا حصہ آگ میں جلایا جاتا تھا تاکہ اُس کی خوشبو اُس تک پہنچ جائے۔ زراعت پیشہ لوگ پہلا پھل نذر دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات یہوواہ کو ایسی قربانیاں نذریں دی جاتی تھیں جو خوفناکی کا مرقع ہوتی تھیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے اسحاق کو قربان کرنا چاہا۔ افتاح نے اپنی بیٹی کو قربان کر دیا۔ جنگ کے بعد مال غنیمت میں سے سب سے عمدہ چیزیں یہوواہ کو نذر دی جاتی تھیں۔ ایک جنگ کے بعد حضرت سیموئیل نے شاہ آگاگ کو قربان کر دیا۔ ایسی انسانی قربانیاں بہت کثرت سے نظر آتی ہیں۔ مگر معمولی عبادت سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس میں کہ لوگ کھاتے پیتے اور جشن کرتے تھے۔ نہ عبادت کے لئے کوئی خاص طریقہ رائج تھا اور نہ قربانی میں پوجاری شریک ہوتا تھا۔ یہ باتیں تو بعد میں جاری کی گئی تھیں۔ اور جیساکہ منوحہ اور جدعون کی قربانیوں سے ظاہر ہے قربانی میں پوجاری کو کوئی دخل ہی نہ تھا۔ بلکہ اس کے ذمے کچھ اور خدمات تھیں۔ عیلی پوجاری اور اُس کے نوکر عہد کے صندوق کے نگران تھے۔ میکاہ نے ایک جوان پوجاری کو دس نقرئی سکوں کے عوض اُن مورتوں کی نگرانی سپرد کر دی تھی جن کو اس نے جمع کیا تھا۔ پوجاری کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ وہ یہوواہ سے مشورہ کر کے اس کی مرضی دریافت کرے۔ اسے وہ مختلف متبرک چیزوں مثلاً افود اور ترافیم کے ذریعے انجام دیتا تھا۔ مزید برآں جو مقدمات اُس کے سامنے پیش کئے جاتے تھے وہ اُن کو فیصل کرتا تھا۔ اور اس طرح پر وہ اُن قواعد و قوانین کو جو لوگوں کے افعال و زندگی کے متعلق تھے

پورا کرتا تھا۔ یہ قواعد بعد میں قلمبند کئے گئے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ یہوواہ اپنی قوم کا ایک زندہ سقش۔ ایک جنگجو سورما۔ ایک زبردست حکمران۔ نعمتوں کا دینے والا۔ اُن کے چال وچلن کی نگرانی کرنے والا۔ اور اُن کی زندگی کو اعلیٰ و برتر بنانے والا تھا۔

بنی اسرائیل میں بہت سے نبی یا پیشین گوئی کرنے والے بھی گزرے ہیں۔ ابتدا میں تو عابدوں کا ایک فرقہ نکلا جو ناچتا گاتا اور مجذوبوں کی سی حرکتیں کرتا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ اس حالت میں وہ اُن کے معبود کا ایک جزو بن جاتا ہے۔ وہ بعل اور یہوواہ کی مرضی معلوم کرنے اور اُسے لوگوں پر ظاہر کرنے والے خیال کئے جاتے تھے۔ وہ جادو تعویذ گنڈے اور جنتر منتر سے کام لیتے تھے۔

اسی قسم کے لوگوں میں سے اسرائیلی نبیوں کی ابتدا ہوئی تھی بنی اسرائیل ہمیشہ یہوواہ کی مرضی معلوم کرنے اور اس پر چلنے کے مشتاق و منتظر رہتے تھے۔ اور یہ مرضی کسی شخص کے ذریعے جس پر یہوواہ کی روح آجاتی تھی معلوم کی جاتی تھی۔ وہ جو کچھ کہتا تھا اُس پر لوگ ایمان لے آتے تھے۔ نبی کوئی خاص فرقے کا شخص نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہی مسلسل طور پر ظاہر ہوتے تھے۔ بلکہ صدی یا نصف صدی بعد۔ نبی کو یہوواہ اپنی مرضی سے آگاہ کر دیتا تھا۔ وہ حالت بیداری میں کوئی خواب دیکھتا۔ یا کوئی آواز جو دوسروں کو نہیں سنائی دیتی تھی سنتا تھا۔ یہ دونوں باتیں کسی آیندہ واقعہ کی خبر ہوتی تھیں اور پوری اُترتی تھیں۔ ان کا تعلق بادشاہ۔ ملک۔ مذہب۔ اور بنی اسرائیل کی قسمت کے ساتھ ہوتا تھا۔ سیموئیل کی پیشین گوئی سے ساؤل کی سلطنت قایم ہوئی۔ اخیاہ نبی کی نبوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کے دو حصے ہو گئے۔ الیاس نبی نے خاندان عمری کے زوال کی

نسبت نبوت کی۔ اور آلیشع نبی کے وقت میں یہ نبوت پوری ہوئی بعض اوقات بعض نبی کی طرفداری کل قوم یا سلطنت کرتی تھی۔ اور بعض اوقات نہیں بھی ؀

شاہی عہد میں بنی اسرائیل کا مذہب قومی مذہب ہوگیا تھا۔ وہ اپنے کو ایک متحد قوم سمجھتے تھے۔ اُن کا اپنا ایک بادشاہ اور ایک معبود تھا۔ یہوواہ بنی اسرائیل کا خدا تھا اور بنی اسرائیل یہوواہ کی قوم تھے۔ مگر یہوواہ کی عبادت اُن کو دوسرے دیوتاؤں کی عبادت کرنے سے نہ روک سکی۔ مواب میں کموس کی بھی عبادت ہوتی تھی۔ اور بعل تو کنعانیوں کا قدیم معبود تھا ہی۔ یہوواہ باقی معبودوں سے زیادہ زبردست تھا۔ اور اگر بنی اسرائیل دیگر معبودوں کی پرستش کرتے تو کوئی بُری بات نہ تھی۔ بادشاہ اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی مورتیں یہوواہ کی سورت کے پاس قایم کرسکتا تھا۔ بنی اسرائیل اُن کی بھی عبادت کرنے لگتے تھے۔ اس طرح پر بعض بادشاہوں کے عہد میں بہت سے دیوتاؤں کو رواج ہوگیا۔ یہوواہ کا تعلق صرف بنی اسرائیل سے تھا۔ اُس کا اُن کے ساتھ ایک عہد ہوگیا تھا۔ اُن کے بغیر اس کی عزت نہیں ہوسکتی تھی۔ الغرض ایک کا دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق سمجھا جاتا تھا۔ یہوواہ اُن کو نیست و نابود ہونے سے بچا سکتا تھا۔ اور اگر کسی وقت وہ دوسری اقوام سے دب جاتے تو وہ اُن کی مدد کرتا تھا ؀

انبیا نے بنی اسرائیل کے دل پر یہ بات نقش کردی کہ اگر وہ یہوواہ کی سچی خدمت نہ کرینگے تو اُن کی قوم پر ایک تباہی آئیگی۔ عاموس نے یہ پیشین گوئی کی کہ بنی اسرائیل کو غلامی کی زندگی بسر کرنی پڑیگی۔ اور غیر ملک میں۔ یشعیاہ نے نبوت کی کہ غلامی کے بعد صرف

تھوڑے سے بچ کر واپس آئینگے - انبیا کہتے تھے کہ یہوواہ جو راستباز اور صداقت پسند ہے وہ گناہ کی سزا دیتا ہے اور اپنے لوگوں کو بھی گناہ کی سزا دیگا - اسرائیل کا گناہ یہ تھا کہ اُنہوں نے بت پرستوں کی رسوم اختیار کیں - اُن کے تہوار منائے - یہوواہ کی عبادت سنجیدگی - شان وشوکت اور اُس طریقہ میں نہیں کی جو اُس کی شان کے لئے شایاں تھے +

انبیا نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ خدا قربانی سے نہیں بلکہ رحم کرنے سے - انصاف کرنے سے - راستبازی سے - اور انکساری سے خوش ہوتا ہے - اور جو باتیں کتاب خروج میں ممنوع ہیں اُن کے نہ کرنے سے بھی - امیر جس بیرحمی اور سنگدلی کا برتاؤ غریبوں سے کرتے ہیں یہوواہ اُن سے ناخوش ہوتا ہے - وہ ظلم - رشوت - قتل اور عیش پرستی سے خوش نہیں ہو سکتا - ان ہی باتوں کے باعث وہ بنی اسرائیل سے اپنا فتویٰ نہیں اُٹھا سکتا - بلکہ اُن کو فرار واقعی سزا دیگا - چونکہ وہ رحم و انصاف کو پسند کرتا ہے - اس لئے جو قوم ان باتوں کو روا نہیں رکھتی وہ سزا پائیگی +

الغرض یہ کہ انبیا نے بنی اسرائیل کے دل پر ایک اور بات یعنی ایک نئی بات جس سے وہ ناواقف تھے نقش کر دی - بنی اسرائیل سمجھے بیٹھے تھے کہ یہوواہ اُن کا فرمانروا اور معبود ہے - اُن کے عروج و زوال سے اُس کا بھی عروج و زوال تعلق رکھتا ہے - مگر انبیا نے بتا دیا کہ وہ اخلاق کا حاکم ہے - وہ راستبازی کا قائم رکھنے اور ترقی دینے والا ہے اسکے بنی اسرائیل کی اقبال مندی سے بڑھکر راستبازی کا خیال ہے - وہ فی الحقیقت بنی اسرائیل کا معبود ہے - بنی اسرائیل اس کے بیٹے ہیں - وہ اُس کی قوم ہیں - اُن کے ساتھ اُس کا عہد و پیمان ہو چکا ہے - لیکن وہ انکو راہ راست

سے بھٹک جانے کی اجازت نہ دیگا۔ گویا انبیا نے اُسے راستبازی اور رحم کا چاہنے والا بتایا۔ اور اُن کا یہ کہنا قومی مذہب سے ترقی کر کے عالمگیر مذہب تک جاتا تھا +

انبیا نے یہوواہ کی عمیق صفات کو پہچانا اور ظاہر کر دیا کہ اس کا نہ صرف بنی اسرائیل ہی کے ساتھ تعلق ہے بلکہ ساری قوموں اور ساری دنیا کے ساتھ اور اگر وہ چاہے تو کسی اَور قوم کو اپنی قوم بنا لے۔ ساری قومیں اُس کی تابع فرمان ہیں اور سب اس کی پیاری اور محبوب۔ وہ جس قوم سے چاہے اپنی مرضی پوری کرا لے۔ وہ ساری قوموں پر نہ کسی ایک قوم کے فواید کو مدنظر رکھکر حکمرانی کرتا ہے۔ بلکہ راستبازی کے لئے۔ وہ ایک ایسی سلطنت قایم کرنی چاہتا ہے جو ساری دنیا کے لوگوں کے لئے ہو۔ وہ راستبازی اور صداقت کی حکومت ہے۔ اور اسی کی طرف وہ سب قوموں کو لئے جاتا ہے۔ اور وہ دن قریب آتا جاتا ہے جبکہ وہ قوموں کا انصاف کریگا۔ اس لئے اسرائیل کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس روز کہیں وہ سزا کے فتوے کے قابل نہ ٹھیرے۔ انبیا نے اس بات کو زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھا کہ یہوواہ زمین و آسمان۔ بحر و بر اور ساری قوم المختصر یہ کہ ساری دنیا کا خالق و مالک ہے۔ وہ نہ صرف سارے معبودوں میں افضل و برتر ہے۔ بلکہ وہی اکیلا معبود ہے اور پرستش کئے جانے کے قابل۔ وہ ساری دنیا کا معبود ہے۔ یہ کہہ کر انبیا نے وحدانیت کی بنیاد بھی ڈال دی۔ اور ایک ایسے معبود یا خدا کے رخ پر سے پردہ اُٹھا دیا جو ساری دنیا کا معبود اور خدا ہونے کے لایق تھا +

واضح رہے کہ بنی اسرائیل میں وحدانیت فلسفیانہ غور و خوض سے قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ اخلاقی پہلو اور خیال سے۔ انبیا نے یہوواہ کو سب سے برتر و افضل محض اس کے انصاف اور پاکیزگی کے باعث مانا تھا۔ اُس کی یہ دونوں صفات نہایت زبردست تھیں۔ اور دنیا کے اوپر چلنے

کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ جو چیز ان دونوں باتوں کے خلاف ہے خواہ اسرائیل میں اور خواہ کسی دوسری قوم میں وہ یہوواہ کے خلاف ہے۔ خدا انسان سے کسی بات کا طالب نہیں۔ صرف نیکی اور راستبازی کا۔ اس کے نزدیک سچی قربانی دل اور چال چلن کی قربانی ہے۔ انسان کا تعلق خدا کے ساتھ محبت کے پیرایہ میں ہے اور اسی طرح جس طرح کہ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ ہوتا ہے اس کے حضور میں نیک اور راستباز دل کی قربانی گذرانی چاہئے۔ اُسکی محبت اور محبت سے دوچار ہونے کی خواہش انسان کے تمام تعلقات اور علاقوں سے برتر ہیں۔ وہ اسرائیل کیلئے کڑھتا ہے۔ جیسے کہ ایک باپ اپنے آوارہ گرد بیٹے کیلئے۔ وہ اُنکو راہ راست پر لانے کے لئے کوئی بات اُٹھا نہ رکھیگا۔ یہاں تک کہ وہ انسان کی فطرت کو بدل دیگا۔ اور اُسے ایک نیا دل عطا کریگا۔ یا اپنی روش یا قانون کو بدل دیگا۔ اور انساں کے دلوں میں اپنا قانون اور مرضی نقش کر دے گا۔ تاکہ انسان اور اسمیں (خدامیں) جس میل قایم ہونے کی اُسے خواہش ہے۔ وہ قایم ہوجائے +

اس کے بعد بنی اسرائیل کے مذہب میں ایک اور بات پیدا ہوگئی۔ علاوہ ایک قومی اور عالمگیر مذہب ہونے کے اُس میں فردیتہ (افرادی مذہب) کی بھی جھلک نمودار ہوئی۔ جب کوئی قوم مل کر اور مشترکہ طریقہ میں خدا کی عبادت کرتی ہے تو خدا کے ساتھ ساری قوم کا تعلق ہوتا ہے۔ اور ساری قوم اُس کے نزدیک جوابدہ ٹھیرتی ہے۔ لیکن فردیتہ کا منشا یہ ہے کہ ساری قوم نہیں۔ بلکہ اس کا ہر فرد خدا کے نزدیک جوابدہ ہو۔ گویا ہر شخص اپنے دل میں یہ بات جان سکتا ہے کہ آیا اُس سے خدا کی مرضی پوری ہوئی یا نہیں۔ اور ایسی صورت میں مذہب ایک ایسا معاملہ ہوجاتا ہے جو نہ صرف خدا اور قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ خدا اور ہر فرد سے بھی۔ چنانچہ یرمیاہ کی دعا قوم کے متعلق نہ تھی۔ بلکہ اُس کی ذات کے +

انبیا نے جو پیغام سنایا وہ قبل از وقت تھا۔ اور اُس سے پہلے سنایا گیا جبکہ دُنیا اُس کے قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اُنہوں نے پیغام تو سُنایا اور آگاہی تو بخشی لیکن وہ عملی تدابیر نہ بتا سکیں جن سے بنی اسرائیل کی اصلاح ہو سکتی۔ اُنہوں نے بڑے بڑے خیالات تو لوگوں پر ظاہر کر دئے۔ مگر اُن کو عملی صورت میں لانے کا فیصلہ اُن ہی کے سر رکھا۔ اس لئے بنی اسرائیل کے مذہب کی خاطر خواہ اصلاح اُس وقت تک نہ ہو سکی جب تک کہ بنی اسرائیل کو بابل میں غلامی کی زندگی سے واسطہ نہ پڑا +

حضرت موسےٰ کی پانچ کتابوں میں بہت سی اصلاحیں اور قوانین درج ہیں۔ اُن سے ظاہر ہے کہ انبیا کے خیالات نے لوگوں کے دلوں میں گہرا اثر پیدا کر دیا تھا۔ اور بہت سے بادشاہ اُن پر دل سے عمل کرتے تھے۔ ان اصلاحوں سے دو باتوں کو ترقی ہوئی۔ اول یہ کہ یہوواہ کی عبادت کو اُس کے اُن نئے اوصاف کے مطابق جو انبیا نے ظاہر کئے۔ یعنی اُس کی قدرت۔ رحم اور پاکیزگی کے مطابق قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوم یہ کہ اخلاقی خیالات کو ترقی ہوئی۔ اور دوسروں کے ساتھ انصاف اور مہربانی کو روا رکھنے کی زیادہ ضرورت سمجھی گئی۔ حزقیاہ کی اصلاحیں تھوڑے ہی عرصہ تک با اثر رہیں۔ اس نے یہوواہ کی مشہور مورت کو تباہ کر دیا اور یہودیہ میں جتنے متبرک مقامات میں جو عبادت ہوتی تھی اس میں بھی اصلاح کی۔ تاکہ مذہب میں سے بت پرستوں کی باتیں خارج ہو جائیں۔ اور صرف یہوواہ ہی کی عبادت کی جائے۔ مگر حزقیاہ کے جانشین منسی نے اس کے برعکس کیا۔ اُس کے عہد میں بہت سی باتیں غیر قوموں کی رائج ہوگئیں۔ یہاں تک کہ یروشلم میں انسان کی قربانی ہونے لگی۔ یوسیاہ کی اصلاحیں حزقیا کی اصلاحوں سے بھی اچھی اور مکمل تھیں اُس نے اُن تمام ناروا مذہبی باتوں کو جو اس کے متقدمین کے

عہد میں رواج پکڑ گئیں تھیں اٹھادیا۔ تاکہ صرف یہوواہ ہی کی عبادت کی جائے۔ اس نے تمام مقامی مندروں کو جن میں مختلف معبودوں کی عبادت کی جاتی تھی بند کردیا۔ اور اس طرح پر ملک میں سے بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہا۔ یہ تمام باتیں اس قانون کے مطابق عمل میں آئی تھیں جو یروشلم کے مندر میں پایا گیا تھا۔ اس کتاب میں اسی قسم کی اصلاحیں اور قوانین درج تھے جس قسم کے کہ کتاب استثنا میں درج ہیں ⁂

کتاب استثنا اسرائیل کے مذہب کا ایک بڑا قانون ہے۔ اور اس کے احکام کا رواج ہونے کے بعد سے یہوواہ کی مرضی انبیا کی آواز کے ذریعے نہیں۔ بلکہ ایک تحریری قانون کے ذریعے جو خدا کے احکام کا مجموعہ مانا جاتا تھا دریافت اور معلوم کی جانے لگی۔ کتاب استثنا کے بعد اور کتابیں قلمبند کی گئیں +

یوسیاہ کی اصلاحوں کو اس کے جانشین نے اٹھادیا۔ اس لئے جب تک کہ بنی اسرائیل ملک فلسطین میں رہتے کسی مزید اصلاح کا موقع ہاتھ آنا ناممکن تھا۔ انبیا یہ پیشینگوئی کرچکے تھے کہ جلا وطنی سے اسرائیل کا مذہب برباد نہ ہوگا۔ بلکہ محفوظ رہیگا۔ اور یہ بات سچ نکلی۔ کیونکہ اس کے ذریعے اسرائیل نے بت پرستی کو ترک کردیا۔ اور ان کو ایک ایسی بات کے انجام دینے کے لئے آمادہ کردیا جسے کوئی دوسری قوم پورا نہیں کرسکتی تھی۔ یعنی ایک حقیقی اور سچے مذہب کو دنیا کے نفع کی خاطر دنیا میں فروغ دینے کے لئے ایک نبی نے جلا وطنی میں اپنے متقدمین کی نسبت یہوواہ کی قدرت و طاقت کو زیادہ عروج پر پہنچانا چاہا۔ اس نے یہ بتایا کہ وہ ساری دنیا کا خالق ہے۔ اس نے اسرائیل کو اپنی قوم بنالیا اور جو ان کو جلا وطنی یا غلامی کی تکالیف میں تسلی دیتا ہے

اور جو قومیں یہوواہ کو سچا خدا نہیں جانتیں اسرائیل اُن کی نگاہوں میں اُسے سچا ثابت کریگی - اسرائیل لوگوں کے سردار ہونگے - بت پرست قومیں دور دور سے اپنی دولت لیکر آئینگی اور اسرائیل کے آگے سر جھکائینگی - اگر اسرائیل اس کام کو انجام نہ دیگے تو یہوواہ کا خادم اس وقت تک دم نہ لیگا جب تک کہ ساری دنیا میں سچا مذہب قائم نہ ہو جائے وہ انہوں کو راستبازی سکھائیگا اور سچے مذہب کے قایم کرنے کے لئے یہوواہ کا قوت بازو بنے گا +

ایسی پیشینگوئیاں یا باتیں بیکار نہ گئیں - بلکہ اُن کا بنی اسرائیل کے دل پر ایک گہرا اثر ہوا - اور جب یہودی مصر سے واپس آکر فلسطین میں آباد ہوئے تو اُن کے دلوں میں ایک قومی مشن کا خیال موجزن تھا - اُنہوں نے فی الفور یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ وہ ایک علیحدہ قوم ہیں - اُنہوں نے یہوواہ کو اکیلا خدا سمجھکر اُس کی عبادت کو رواج دیا - یہودی جو پہلے سے فلسطین میں موجود تھے اُنہوں نے قومی ترقی کے لئے بڑی کوشش کی تھی - اور عبادت کے مسئلہ کو بھی خوب حل کر لیا تھا اور اُنہوں نے ایک مذہبی قانون اور دستور مرتب کر لیا تھا - اور گزشتہ قصص و روایات کو ایک جگہ قلمبند کر لیا تھا - وہ ایک ایسی مضبوط قوم بن گئے تھے کہ وہ اپنے کاروبار کو بلا مدد انجام دے سکتے تھے - یہ قانون اور دستور عزرا (عزیز) نے جو کاہن اور فقیہ تھا ۴۴۴ قبل مسیح میں جاری کیا تھا - اور اس نئے قانون کو اُس نے یروشلم کے لوگوں کو پڑھکر سُنایا - اس قانون میں کچھ حصہ خروج - احبار اور گنتی کا شامل تھا - اور دوسری کتابیں اور استثنا کی کتاب اُن کے ساتھ جمع (جس پر یہودیوں کا عملدرآمد ہے) کی گئی ہیں - یہی مجموعہ ہے جو توراۃ یا شریعت کے نام سے کہلاتا ہے +

یہودی مذہب جس کے شرع و قوانین کا مجموعہ یہ توریت ہے۔ اُس میں اور بنی اسرائیل کے مذہب میں جو اُن میں قید بابل سے زمانے تک رائج رہا بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اس وقت اُس میں بہت سے نئے اصول و قوانین پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے اُس موقع پر یہودیوں کی اُس مذہبی زندگی کی جو شرع یا تعلیم کنانت سے تعلق رکھتی ہے خصوصیات کا اور نیز ان خصوصیات کا جو اُس سے تعلق نہیں رکھتیں ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) یہودی مذہب یا یوں کہو کہ کاہنوں کا مذہب ایک ایسے خیال پر مبنی ہے جو ابتدائی زمانے کے لوگوں کے عقاید میں بہت کم جگہ رکھتا ہے اور جسے "حس یا ادراک گناہ" کہنا چاہئے۔ آخر کار نبیوں کی لعنت ملامت جو وہ اسرائیلیوں کی برگشتگیوں پر کرتے رہے تھے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی۔ اور وہ ایک ایسے طریقے کے قائل ہو گئے جس میں یہ ماننا پڑتا تھا کہ اُن کی گزشتہ تاریخ سر تا پا گناہ سے آلودہ اور غلطی پر مبنی تھی۔ اور اس لئے وہ درگاہ الٰہی میں استغفار و دعا کے ہر دم حاجتمند ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر عبادت اور ہر دعا کے شروع میں اُس قومی گناہ کے لئے جس میں گزشتہ نسل کے علاوہ موجودہ نسل بھی شریک سمجھی جاتی ہے طول طویل اقرار پایا جاتا ہے جیسا کہ نحمیاہ کے دسویں باب سے آشکارا ہے جہاں لکھا ہے کہ "ہم نے بھی اپنے باپ داداؤں کی طرح گناہ کیا ہے"۔ اور یہی خیال تمام تاریخی کتابوں میں پایا جاتا ہے جہاں کہ گناہگار بادشاہوں پر سخت فتوے لگائے گئے ہیں ابتدائی زمانے کے اسرائیلیوں کا عقیدہ تھا کہ یہوواہ ان کے درمیان اور اُن کے درمیان میں اور اُن کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ مگر زمانہ مابعد کے

اسرائیلیوں کے عقیدے کے مطابق یہوواہ زیادہ صاحب قدرت اور زیادہ ہیبت ناک ہوگیا تھا۔ اور لوگ اپنے آپ کو خطاکار اور گنہگار جاننے لگے تھے۔ اس لئے وہ یہ نہیں مان سکتے تھے کہ یہوواہ اُن کے ساتھ ساتھ ہے۔ بلکہ یہ کہ وہ اُن سے دور ہے اور اُن کو اُس کا قرب حاصل کرنے کی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ یہ عقیدہ یقیناً شخصی حالت اور مذہبی ذمہ داری کے خیال کی ترقی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر قوم اور فرقہ کے لئے اس قسم کا عقیدہ رکھنا طبعی امر ہے کہ وہ حق پر ہے اور اس کا معبود اُسکے ساتھ ساتھ ہے مگر ایک فرد واحد کے لئے جو اپنی باطنی گناہگار حالت پر نظر کرتا ہے ایسا عقیدہ رکھنا مشکل ہے۔ اسرائیلی نبیوں نے جس عقیدے کی تعلیم و تلقین کی وہ کل قوم سے نہیں بلکہ اُس کے ہر فرد سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت حزقیل نے اپنے ہموطنوں میں ایک ایک کو اس کی ذمہ داری اور اُس خطرے سے جو اُس پر آنے والا تھا آگاہ کیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہر شخص کو اپنی نجات کی فکر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ہر شخص کو اُس کے اعمال کے مطابق ملیگا۔ اس عقیدے نے بنی اسرائیل کی کایا پلٹ کردی۔ اور اُن کو شریعت کا بالکل پابند کردیا۔ اور تاریخ گواہ ہے۔ کہ گناہ کا احساس یا ادراک کا خیال یہودیوں کے دلوں میں کس قدر گہرا نقش رکھتا تھا *

(۲) اس وقت یہودیوں نے زندہ نبوت پانے کی امید کو جو نبیوں کی زبان سے سنائی جاتی تھی چھوڑ دیا تھا بلکہ یہ ماننے لگے تھے کہ خدا نے اُن کو ایک کامل الہام جو توریت میں بند ہے عطا کردیا ہے۔ اس کتاب نے اول تو انبیا کی جگہ لے لی اور پھر لوگوں کے ضمیر کی ہر شخص نے یہ خیال کرنا ترک کردیا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا۔ بلکہ صرف یہ خیال کرنے لگا کہ فلاں بارے میں توریت کیا کہتی ہے۔ الغرض یہ کہ

الہی مرضی اسی کتاب سے دریافت کی جانے لگی ۔
توریت کا زیادہ تر حصہ اُن دینی رسوم یا فقہ پر مشتمل ہے جو عوام الناس سے زیادہ علاقہ نہیں رکھتیں ۔ تاہم ہر یہودی یہی یقین رکھتا تھا کہ تورات میں اس کے کل متعلقہ فرایض کا ذکر ہے ۔ کتابی مذہب سے اور اُور باتیں ظہور میں آتی ہیں ۔ وہ لوگوں کے اطوار کا دستور العمل سمجھی جاتی ہے ۔ لیکن اسے اُن مختلف اور متعدد باتوں اور حالتوں پر جو عملی زندگی سے ظہور میں آتی ہیں عاید کرنے کے لئے شرح و تفسیر کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اس طرح وہ ان امور پر بھی احاطہ کر لیتی ہے جو اس میں درج نہیں ہوتے ۔ اور اس طرح "روایات" کی بنیاد پڑ جاتی ہے جن کے لئے ایک نئے قسم کے لوگوں کی خدمات کی ضرورت واقع ہوتی ہے ۔ المختصر یہ کہ فقیہوں کا فرقہ جو شرع کی شرح کرتا ہے اور اس کے احکام کو عملی زندگی پر عاید کرتا ہے پیدا ہو کر بہت زور و رسوخ حاصل کر لیتا ہے ۔ اگرچہ ان لوگوں کا اصل مقصد نیک ہوتا ہے مگر تو بھی اپنے کام کے لحاظ سے اُن سے اکثر بہت سی فروگزاشتیں اور بیہودگیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں ۔ رفتہ رفتہ یہودیوں کے مذہب کا بھی یہی حشر ہوا ۔ اور وہ ایک طبعی اور حقیقی مذہب کی جگہ ایک مجازی اور مصنوعی مذہب بن گیا ۔

(۳) الہی مرضی کا جزو اعظم جیسا کہ توریت سے مفہوم ہوتا ہے ذبیحہ یا قربانی یا نذر سے متعلق ہے ۔ اس میں ایسے احکام اور ایسے کاہنوں کا ذکر ہے جو روزانہ اور دیگر قسم کی قربانیاں گزرانتے تھے ۔ اور ایسے قواعد بھی درج ہیں جن کے مطابق قربانی کی ہر بات پورے پورے طور پر ادا کی جاتی تھی ۔ حالانکہ یہودی ذبیحے مختلف امور و ضروریات کے لئے گزرانتے تھے مگر یہ نہیں بتلا سکتے تھے کہ اُس کی

اصلی اور ٹھیک غرض وغایت کیا ہے۔ اگر اُس کے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تو اس کا جواب یہ دیا جاتا تھا کہ توریت میں اس کا حکم ہے۔ اور جس بات کے کرنے کا اُس میں حکم ہے اگرچہ وہ کسی کی سمجھ میں کبھی نہ آئے تاہم اُسے اُس پر عمل کرنا چاہئے۔ ہیکل کی روزانہ قربانی سے ہیکل کے کاہنوں کی ناپاکی دور ہوجاتی اور لوگوں کو یہ یقین ہوجاتا کہ اُن کا معبود ان پر مہربان ہے۔ بعض ذبیحے بعض گناہوں کے نتایج مٹانے کے لئے گزرانے جاتے تھے۔ شکرانہ کے طور پر بھی ذبیحہ گزرانا جاتا تھا۔ القصہ یہ کہ ذبیحہ یا قربانی یہودیوں کے مذہب کا ایک بڑا راز اور خاص بات مانی جاتی تھی +

(۴) یہودیوں میں تقدس وپاکیزگی کا خیال بھی مذہب سے متعلق تھا۔ جو اشخاص یا چیزیں یہوواہ کی ملکیت سمجھی جاتی تھیں۔ وہ عام استعمال سے علیحدہ رکھی جاتی تھیں۔ یہوواہ کے پاس کوئی نہیں جاسکتا تھا۔ اُس کے اندرونی معبد میں جسے قدس الاقداس کہتے تھے کوئی نہیں جاسکتا تھا۔ مگر صرف سردار کاہن اور وہ بھی سال میں ایک دفعہ مقدس کے اندر عوام الناس نہیں جاسکتے تھے مگر صرف کاہن۔ معبد کی تحقیر ایک جرم ناقابل معافی سمجھا جاتا تھا۔ سبت خدا کا خاص دن سمجھا جاتا تھا۔ اور اُس روز کوئی شخص کوئی دنیوی کام نہیں کرسکتا تھا۔ تقدس سے پاکیزگی یا طہارت کا تعلق تھا۔ اسی لئے یہودی جو اپنے کو پاکیزہ خیال کرتے تھے اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ وہ ناپاک چیزوں کو نہیں چھوتے تھے۔ بعض حیوان ناپاک خیال کئے جاتے تھے۔ وہ ان کو نہیں کھاتے تھے۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ چہرہ اور جسم کی طہارت مختلف طریقوں میں کی جاتی تھی۔ یہودی اپنے برتنوں کو بہت پاک وصاف رکھتے تھے۔ بعض پیشے ناپاک خیال کئے جاتے تھے۔ یہودی اُن سے نفرت کرتے تھے۔ وہ غیر

اقوام کو بت پرست اور مشرک و کافر سمجھتے تھے - وہ نہ تو اُن کے ساتھ ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے اور نہ اُن کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاتے تھے۔ یہوواہ کے پہاڑ پر وہی شخص جا سکتا تھا جس نے سوٗر کا گوشت نہ کھایا ہو۔ سبت کے دن اپنی دکان نہ کھولی ہو - اور نہ کوئی دنیاوی کام کیا ہو۔ نہ نعش کو ہاتھ لگایا ہو - نہ غیر قوم کی کوئی چیز چھوئی ہو - اس خیال سے یہودی کسی غیر آدمی کو نہ اپنا بھائی سمجھتے اور نہ اُس سے ملتے جلتے تھے۔ وہ نامختون کو ناپاک جانتے تھے - اور اس طرح وہ کل دنیا سے الگ تھلگ رہ کر مغرور ہو گئے اور اپنے کو ساری مخلوق سے افضل و برتر خیال کرنے لگے تھے +

یہودیوں کا مذہب جس کا ہم نے ایک مختصر اور صحیح خاکہ کھینچنے کی کوشش کی ہے اس میں انبیا کی تعلیم رفتہ رفتہ شریعت اور فقہ میں منتقل ہو گئی - اس میں بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو مذہبی ترقی کی شائستہ حالت سے تعلق رکھنے والی نہیں ہیں - اگرچہ قربانی یا ذبیحہ کا دستور العمل جو ظاہرا طور پر دیگر بت پرست قوموں سے کچھ بہت قابل امتیاز نہیں ہے ان کے اغراض کی وجہ سے یہ گزرانی جاتی تھیں قابل لحاظ ضرور ہے تاہم حرام و حلال کے خیال کے لئے ظاہرا کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی اور وحشی اقوام کے ٹابو[*] کے خیال سے مشابہ ہے۔ یہودیوں کی روزانہ زندگی کے کام و فرائض کے ساتھ ادنےٰ درجہ کے تکلیف دہ قواعد و ضوابط کی شق لگی ہوئی تھی - اور یہ شائستگی کی علامت نہیں کہی جا سکتی اگرچہ اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ اپنے مذہب کو دیگر مذاہب کی آمیزش سے بچائیں - لیکن جو برتن یا غلاف اس غرض کے لئے اختیار کیا گیا وہ ناتراشیدہ اور قدیم زمانے سے تعلق رکھنے والا تھا +

---

[*] بعض وحشی اقوام میں ٹابو سے مراد ایک ایسی شے یا حیوان ہے جس کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یا تو اس میں کوئی دیوتا رہتا ہے اور یا اس کے ساتھ خاص تعلق رکھتا ہے +

اس زمانے میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہودیوں کے مذہب میں بہت سی باتیں داخل ہو گئی تھیں جن کو ترقی کی علامت اور پیش خیمہ کہنا چاہئے۔ اگرچہ اُن کی شریعت اُن کے ہر فعل پر حاوی تھی تاہم اُن کے خیالات میں روشنی اور آزادی پائی جاتی تھی۔ جن ظاہری قیود میں یہودی جکڑے ہوئے تھے اُن کی تلافی کے لئے وہ حقیقی سچائیاں کافی تھیں جو رفتہ رفتہ جادہ گر ہو کر اُن کے دلوں کو مالا مال کر رہی تھیں۔ اگرچہ ان کا گزشتہ زمانہ روایات وقصص سے ملبوس تھا۔ لیکن آیندہ زمانہ اُمیدوں کا سرچشمہ معلوم دیتا تھا +

یہودیوں کے مذہب میں روحانی عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے قید بابل سے واپسی کے بعد مزامیر مرتب کئے گئے۔ اگرچہ اُن میں سے بہت سے اس سے پہلے ہی قلمبند ہو چکے تھے۔ مگر اس میں شبہ کو مطلق گنجایش نہیں ہے کہ زیادہ تر اسی زمانے میں لکھے گئے تھے اور روز بدن یہ امر پایہ یقین حاصل کرتا جاتا ہے کہ مزامیر نویس انبیا کے بعد میں آیا۔ اور اُس نے انبیا کے خیالات کو عام پسند و عام فہم بنانے کی کوشش کی۔ اب جماعتیں ان باتوں کو جن کی تعلیم متقدمین انبیا نے اپنی زبان سے کی تھی اور جن کی قبولیت کا اس وقت لوگوں کو حوصلہ نہ تھا حمد کے پیرائے میں اور راگنیوں میں گانے لگیں کہ یہوواہ بادشاہ اور فرمانروا ہے۔ اور وہ قوموں پر حکمرانی کرتا ہے اور دیگر سب معبودوں سے افضل و برتر ہے اور اُس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اس خیال نے اُن کے دل کو اس قدر خوشی سے بھر دیا اور دنیا کی حکمران قوموں یا دیوتاؤں کی نسبت جو خیالات میں الجھن پیدا ہوتی تھی اسے یک قلم دور کر کے اُن کے دلوں کو روشن کر دیا اور اسی امر کو وہ طرح طرح کے رنگوں میں ظاہر کرتے ہیں۔ جو لوگ یہوواہ کے معتقد تھے وہ از سر نو اُس کی عبادت جوش

مسرت کے ساتھ کرنے لگے۔ اُن کو اُس کی بارگاہ اور عبادت میں عجیب وغریب اور دلکش وخوشنما باتیں نظر آنے لگیں۔ وہ دنیا کو اُسکی صنعت اور خلقت سمجھنے لگے۔ اس لئے پہلے کی نسبت وہ زیادہ عمدگی کے ساتھ اس کی حقیقت کو معلوم کرنے لگے۔ اور مخلوقات کو دیکھ دیکھ کر اور اس کی ماہیت معلوم کرکے خالق کی حمد وثنا گانے لگے۔ ان کو اپنی قومی تاریخ پر ایک جدید روشنی پڑتی ہوئی معلوم دی۔ اور جب اُنھوں نے شریروں کو پھلتے پھولتے اور نیکوکاروں کو مصائب کا تختۂ مشق بنتے ہوئے دیکھا تو اُن اخلاقی مشکلات کے متعلق جو اُن کو پیش آتی تھیں۔ اُن کے خیال میں نئے نئے مسائل سمجھ میں آنے لگے۔ مزامیر میں رسم و دستور یافقہ شریعت کا بہت ہی کم ذکر ہے۔ بلکہ وہ یہوواہ کے عجیب وغریب کاموں اور اس کی رحمتوں اور عطیوں کے لئے شکرانہ اور تعریف کی نذر و قربانی گزرانتے ہیں اور اُن کا گایا جانا نہ صرف حاضرین اور عبادت کرنے والوں ہی کی طرف سے بلکہ سا ں قوموں کی طرف سے ایک عبادت سمجھی جاتی ہے۔ برعکس اس کے ں امر پر کہ یہوواہ ہم سے کن اخلاقی امور کو طلب کرتا ہے اور ہمیں اس کی مرضی پر چلنے کے لئے اُس پر پورا یقین و اعتقاد رکھنا چاہئے۔ بار بار زور دیکر یہ دکھایا گیا ہے کہ اُس کے خوش کرنے کا ذریعہ اور اُس کے زیر سایہ تمام خطروں سے محفوظ بننے کا وسیلہ یہی ہے۔ مذہبی زندگی کے متعلق شاید ہی کوئی بات ہو جو مزامیر میں نہ پائی جاتی ہو۔ زہد۔ تقوے۔ توبہ و استغفار۔ دلی پریشانی وتشویش خانگی آلام۔ جسمانی کمزوری۔ تنہائی۔ موت کا قرب۔ جوش جو عظیم الشان اور وسیع الاثر واقعات وحوادث کا خاصہ ہے۔ ایذا و مصائب کا رنج۔ موجودات ایزدی کا تسکین بخش تصور و مراقبہ وغیرہ وغیرہ امور کے متعلق اُن میں دعا و مناجات موجود ہے۔ جو بد دعائیں بعض مزامیر میں

درج ہیں وہ بھی قومی خصلت و مزاج کے ایک پہلو کو ظاہر کرتی ہیں۔
ان مزامیر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بد دعائیں ایک ایسی جماعت کی طرف سے ہیں جن کے نزدیک وہ شخص جو نیکوکاری اور راستبازی کا دشمن ہے وہ ذاتی دشمن کی نسبت بھی زیادہ سختی و انتقام کا مستوجب ہے۔ ابھی تک اس بات کا کوئی معتد بہ فیصلہ نہیں ہوا کہ مزامیر آیا کسی جماعت کی التجائیں کا مرقع ہیں یا کسی خاص شخص کی التجاؤں کا، خواہ وہ کسی قسم کے ہوں۔ مگر تو بھی وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے گیت کی کتابوں میں برابر استعمال ہوتے رہے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے مذہب کا ہمیشہ تک یہ ایک عجیب و غریب خاصہ رہیگا کہ اُن کے انبیا کی زبانی ایک واحد حقیقی خدا کا سچا ادراک حاصل کر لینے کے بعد ہی اُن کے مذہب نے ایک ایسا انداز اختیار کر لیا جو دنیا کی ہر قوم کے استعمال کے لایق و قابل ثابت ہوا۔

قید بابل کے بعد یہودیوں میں مذہبی عبادت نے ایک نئی ہیئت اختیار کی۔ ہیکل کی عبادت ایسی عبادت تھی جس میں ایک دنیادار شریک نہیں ہوتا تھا اور اگر ہوتا بھی تھا تو کبھی کبھی۔ اس کے تمام ارکان کاہن یا امام ادا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ زبور کا گانا بھی کاہنوں کا فرض خیال کیا جاتا تھا۔ دیہات کے باشندوں کو شاذ ہی اس عبادت کا نظارہ نصیب ہوتا تھا۔ لیکن مکابیوں کے عہد میں ملک میں ایسی جلسہ گاہیں یا معابد پیدا ہو گئے تھے (جنھیں اہل اسلام کی مسجد کا نمونہ سمجھنا چاہئے جو غالباً بعد ازاں اسی نمونے پر وضع کی گئی) جہاں گرد و نواح کے لوگ سبت اور شاید دیگر ایام میں بھی جمع ہو کر شریک دعا و نماز ہو سکتے تھے۔ اور کلام اللہ (توریت) اور وعظ و نصیحت سے بہرہ ور ہو سکتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں مقامی ذبیحوں اور قربانیوں کا رواج نہیں رہا تھا۔ اس لئے مذہب کے متعلق

مقامی عبادت ضروری تھی۔ اور ایک جوشیلے ویندار قوم اس کے بغیر گزر نہیں کرسکتی۔ ان معابد کی نماز و عبادت نے اُن کی حالت میں ایک نمایاں ترقی پیدا کردی۔ وہ اب بغیر کسی سکرمینٹ (تبرک مثلاً ذبیحہ۔ قربانی۔ نذر گزراننے کی رسم) کے، جو سبھوں کو مل کر ادا کرنا پڑتا تھا ایک جگہ جمع ہوکر محض روحانی یا ذہنی عبادت بجا لاسکتے تھے۔ [illegible]یت خانوں میں اس علاقے کے سارے یہودی آتے اور عبادت کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے وہ ان احکام و قوانین اور شریعت اور صحف انبیا کو نہیں بھولے جن کو ایسا موقع حاصل نہ ہونے کی حالت میں وہ فراموش کردیتے معبد میں یہ تمام چیزیں عبادت کے وقت حاضرین کو پڑھکر سنائی جاتی تھیں۔ اور اس طرح پر وہ رشتے جن سے گزشتہ زمانے میں قوم یہود ایک متحد قوم بنی رہی تھی اور آیندہ بڑی بڑی اُمیدیں رکھتی تھی مضبوط و مستحکم بنے رہے *

یہودی مذہب آخرکار جیسا کہ انبیا کی تعلیم کا نتیجہ ہونا چاہئے تھا۔ ایک اُمید کا مذہب بن گیا۔ جس کی اُمید کی آنکھیں آئندہ زمانے پر لگی ہوئی تھیں۔ چونکہ ان پر یکے بعد دیگرے بہت سی بت پرست قومیں حکمران ہوتی رہی تھیں اس لئے یہودی پولیٹکل اختیارات سے بے بہرہ ہوگئے۔ اور وہ اپنی ذلت وانکسار کو محسوس بھی کرتے تھے اس لئے وہ ایک ایسی خیالی دنیا کی طرف جھک پڑے جس میں وہ اپنے کو بالکل آزاد سمجھنے لگے۔ یا یوں کہو کہ اُنہوں نے ایک ایسی خیالی دنیا کا تصور باندھا جس نے اُن کو یہ سمجھا دیا کہ وہ کسی کے محکوم نہیں بلکہ آزاد ہیں۔ انبیا نے یہ تعلیم دی تھی کہ یہوواہ ایک دن عدالت کریگا۔ اور ساری دنیا کا انصاف کرکے لوگوں کو سزا و جزا دیگا۔ اور تب ایک ایسا اچھا زمانہ آئیگا جس میں بنی اسرائیل کو اپنے دشمنوں سے نجات ملیگی اور امن و امان

حاصل ہوگا۔ اور خدا اور اس کی قوم میں کامل صلح اور میل ہو جائیگا۔ اُس وقت اسرائیل کا ملک ایک عالمگیر مذہب اور ہدایت کا مرکز بنے گا مزید براں اُنھوں نے یہ تعلیم بھی دی تھی کہ اس وقت سارے ظاہری جھگڑے مٹ جائیں گے۔ وحشی اور خونخوار حیوان حلیم اور بے ضرر بن جائیں گے تمام جسمانی اور اخلاقی برائیاں نیست و نابود ہو جائیں گی اور یہ تمام باتیں اسی دنیا میں واقع ہوں گی نہ کہ کسی اور دنیا میں۔ اور نہ اس جہان میں جو موت کے بعد ہے۔ یروشلم ان باتوں کا مرکز بنے گا۔ اور قوم یہود اُس وقت ساری قوموں میں سربرآوردہ اور کل دنیا میں خدا کی برگزیدہ اور چنی ہوئی اور پسندیدہ قوم ہوگی۔ اب قوم یہود نے انبیا کی ان پیشین گوئیوں کو جو صاف اور واضح نہ تھیں مضبوطی سے پکڑ لیا اور اُن کی شرح و تفصیل کرنی شروع کی۔ انبیا کے بعد مکاشفات لکھنے والے مثل دانیال کے آئے (اور عہد جدید کے مکاشفات کو بھی اسی ضمن میں سمجھنا چاہئیے) اُنھوں نے اُس تاریخ کو بڑی تفصیل و ترتیب سے بیان کیا جو آخری عدالت پر ختم ہونے والی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کی تاریخ وقوع قائم کی۔ اور اس کے متعلق واقعات کی تفصیل بھی بیان کی۔ یہ باتیں جو عموماً یہودیوں کو تسلی و اطمینان دلاتے اور اُن کی ہمت افزائی کرنے کے لئے لکھی گئی تھیں اس وقت جبکہ طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہو رہے تھے ان میں عام طور پر رائج ہو گئی تھیں۔ یہ تو سچ ہے کہ ان سے یہودیوں میں ایک طرح کا قومی غرور پیدا ہو گیا۔ اور وہ اپنے کو دنیا بھر کی قوموں سے برتر و افضل سمجھنے لگے۔ تاہم ان کی اُمیدیں جو اُن کے دلوں میں موجزن تھیں وہ محض دنیاوی ہی نہ تھیں۔ اور مسیح کی آمد کے قریب وہی شخص زاہد و متقی سمجھا جاتا تھا جو "اسرائیل کی خلاصی یا نجات" کا منتظر رہتا تھا۔ اس وقت یہودیوں کی قومی امید ایک مسیح کے ظہور پر

لگی ہوئی تھی جو خدا کی طرف سے لوگوں کی نجات کے لئے آنے والا تھا۔ اور اس کا ظہور یا آمد خدا کی بادشاہت کا پیش خیمہ سمجھی جاتی تھی۔ اناجیل سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے یہودی اس "مسیح" کی نسبت کس قسم کا خیال رکھتے تھے۔ اور یہ کہ اُن کی رائے میں خداوند یسوع مسیح اُن کی امیدوں کے بالکل برعکس تھا +

اب ہم چند الفاظ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کا حیات بعد الموت کی نسبت کیا خیال تھا۔ اگرچہ یہود کی ابتدائی تاریخ میں ایک قسم کی پرستش آبا کے نشان ملتے ہیں مگر اسرائیل میں اس قسم کے خیالات کو کوئی جگہ نہ تھی۔ یہودی بھی اُس زمانے کی دیگر اقوام کی طرح یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مردے سایہ کی مانند ہیں اور اُن میں کسی قسم کی قدرت اور طاقت نہیں ہے اور اُن کا مسکن زمین کے نیچے پاتال میں ہے جسے شیول کہتے ہیں۔ یشعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ بہت سے فرما نروا شیول میں رہتے ہیں۔ مردے جادو کے ذریعے پاتال سے اس دنیا میں پھر لائے جا سکتے ہیں اور وہ آیندہ کی نسبت پیشین گوئی کر سکتے ہیں مگر اس امر کو قدیم سے ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ زبور اور بعض بعد کی کتابوں میں اس قسم کے صاف بیانات پائے جاتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ عہد عتیق کا مذہب جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے اسی زندگی کے لئے تھا۔ اُن کے نزدیک اعمال کا بدلہ بھی اسی زندگی میں ملنے کی اُمید کی جاتی تھی۔ اور خدا کی بادشاہت بھی اسی دنیا کی بادشاہت تھی جس کا یروشلم صدر مقام تھا۔ مگر بعد میں حیات بعد ممات کا اعتقاد ایک نئی صورت میں قائم ہو گیا اور مسیح کے عہد میں یہودیوں کے دلوں میں یہ خیال جاگزین تھا کہ تمام مردے پھر ایک بار عدالت کے لئے زندہ کئے جائیں گے۔ دانیال نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ لوگوں کو اُنکے اعمال

کے مطابق اجر ملے گا۔ نیکوکار خدا کے جلال میں شریک کئے جائیں گے اور اُس کے وارث ہوں گے۔ اور بدکاروں کو سزا دی جائے گی۔ انبیا بھی پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں آئیں گے ✣

یہودیوں کے مذہب میں اجتماع ضدین جا بجا پائی جاتی ہے۔ ہیکل اور عبادت خانہ کی عبادت کے اصول ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ یہودی اپنے کو ایک عالمگیر مذہب کے مالک و قابض جانتے تھے تاہم اُس کو لوگوں تک پہنچانے میں عار کرتے تھے۔ اسی لئے وہ اوروں سے اور اوروں اُن سے نفرت کرنے لگے۔ جس مذہب کی بنیاد ایمان اور محبت پر تھی وہ قواعد اور قیود کا مذہب بن گیا تھا۔ اگر اسرائیل کا مذہب کل دنیا کے لئے اور ایک عالمگیر ضرورت کو پورا کرنے والا تھا تو وہ اس بات کا بھی محتاج تھا کہ کوئی ایسا شخص اس کی حمایت کے لئے اُٹھے جو اُس میں سے بھوسی کو پھٹک کو دور کر دے اور دانوں کو جمع کر لے یعنی فضول باتوں کو جو اس میں داخل ہو گئی تھیں رد کر دے اور اصلی باتوں کی تعلیم و تلقین کرے۔ تاکہ بنی انسان کو اُس سے نفع پہنچ سکے ✣

# اسلام

تاریخ و ترتیب کے لحاظ سے تمام بڑے بڑے مذاہب کے سلسلے میں اسلام سب سے پچھلا ہے۔ اُس کا ظہور دین عیسوی سے چھ سو سال بعد ہوا۔ اس لئے اس میں مسیحی دین کی بہت سی باتیں اور خیالات پائے جاتے ہیں۔ وہ بالکل سامی مذہب ہے۔ اس لئے اس کا ذکر اُن ہی مذاہب کے ساتھ جو سامی النسل ہیں کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے ہم اُس کی اصلیت اور تہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ سامی مذہب

اسلام میں جلوہ گر ہوکر اپنے بازو پھیلاتا ہے تاکہ بنی انسان سے بغل گیر ہو اور ایک حد تک اُس امر کو انجام دیتا ہے جس کے انجام دینے کے لئے یہودیوں کا مذہب مامور کیا گیا تھا مگر انجام دینے میں اس وقت تک قاصر رہا جب تک کہ وہ سچی دین میں منتقل نہ ہوگیا۔ اسلام میں آکر سامی مذہب کی شکل وہیئت بدلی نہیں۔ بلکہ بدستور قائم رہی۔ اور اُس نے اپنی سابقہ سخت گیری کے ساتھ ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت کو اختیار کر لیا +

اسلام اپنے ظہور کے ساتھ ہی بڑی جلدی اور تیزی کے ساتھ اپنی فتوحات کے راستہ پر پڑ گیا۔ گو جیسا کہ بعض علما کی رائے ہے ملک عرب میں جس میں اس کا ظہور ہوا اُس کے لئے کوئی قدرتی تیاریاں نہیں ہوئی تھیں۔ عرب میں اسلام سے پہلے کا زمانہ "زمانہ جاہلیت" کہلاتا ہے۔ عرب کا خیال تھا کہ اُس زمانے میں اُن کی قوم کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ مگر اسلام نے جلوہ گر ہوتے ہی تمام گزشتہ باتوں کو مٹا دیا۔ اور ایک نئی دنیا کی ابتدا کردی۔ ماہرانِ تاریخ عرب نے اُس تاریک پردے کو جو عرب کے ابتدائی یا قدیم واقعات اور تاریخ پر چھایا ہوا تھا ہٹانے کے لئے بیحد کوشش کی ہے اور اس میں ان کو کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے اس لئے عرب کے ابتدائی یا قدیم مذہب کا ایک قابل اطمینان خاکہ کھینچنا پہلے کی نسبت زیادہ ممکن اور آسان ہوگیا ہے۔ مزید برآں ان باتوں کا ایک حد تک سمجھنا بھی جو ایک اعلیٰ تر اور مضبوط تر مذہب کی آمد کے لئے چپکے چپکے تیاریاں کر رہی تھیں ممکن ہوگیا ہے +

محمد صاحب سے پہلے وسطی عرب کے باشندے ایک قوم نہیں تھے بلکہ فرقوں یا قبیلوں کا مجموعہ تھے۔ جو زیادہ تر خانہ بدوش تھے اور سیلانی زندگی کے دلدادہ ان میں سے بہت تھوڑے لوگ تمدنی زندگی کے عادی تھے۔ اگرچہ اُن کی زبان رسم ورواج اور روایات وقصص یکساں تھے۔

اور اُن کو ایک رشتے میں باندھے رکھتے تھے۔ تاہم ان میں کوئی ایسی حکومت نہیں تھی جس کا مرکز ایک خاص جگہ ہو۔ بلکہ ہر قبیلہ کی حکومت جداگانہ تھی ملک عرب ایک ریگستان ہے۔ اور اس میں کاشت نہیں ہوسکتی تھی اس لئے باشندوں کی زندگی ایک ہی پیمانہ۔ ایک ہی دستور۔ اور ایک ہی طرز و وضع پر قائم رہتی تھی۔ اس میں کسی قسم کی ترقی و تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس کا طرز معاشرت اور اُن کی سوسائٹی ہزار ہا سال سے ایک ہی رنگ و ڈھنگ پر چلی آئی تھی۔ ان میں سب سے زبردست رشتہ یگانگت خون کا تھا۔ کیونکہ وہ سب ایک ہی خون اور ایک ہی نسل سے تھے۔ ہر قبیلے کے لوگوں کا فرض تھا کہ وہ اپنے کسی فرد کے قتل کا بدلہ اُس کے قاتلوں سے لیں۔ اس لئے ایک خون دوسرے کا باعث ہوتا تھا۔ اور پشتہا پشت تک اور نسلاً بعد نسل ملک میں کشت و خون کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مگر ہر سال دو دفعہ برائے چندے یہ لڑائیاں ملتوی کر دی جاتی تھیں۔ سال میں ایک مہینہ ایسا آتا تھا جس میں فریقین میں صلح ہو جاتی تھی۔ اور سب ایک معبد کی زیارت کے لئے جاتے تھے اس امن کے زمانے میں تجارتی قافلے امن و امان کے ساتھ سفر کرسکتے تھے۔ اور بڑے بڑے میلے یا تہوار منعقد ہوتے اور بازار لگتے تھے۔ یہ میلے وغیرہ ابتدا میں تو کسی مذہبی خیال کی بنیاد پر منعقد کئے جاتے تھے مگر رفتہ رفتہ یہ خیال ان سے بالکل جدا ہو گیا تھا۔ خود محمدؐ صاحب کے زمانے میں ان میں سے بعض میلوں پر کل قوم عرب جمع ہو جاتی تھی ہر قبیلے کے لوگ ایک جا جمع ہوتے اور آپس میں تعارف و شناسائی پیدا کر لیتے تھے۔ اُن میں وہ نئی نظمیں جو زمانہ جنگ میں لکھی جاتی تھیں پڑھی جاتی تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ملک میں فلاں نئے شاعر پیدا ہو گئے۔ اس وقت اہل عرب غیر ملک کے لوگوں کے خیالات اور

باتوں سے بھی دوچار ہو جاتے تھے۔ عرب کی سوشل زندگی نہایت خوش اور سفرح تھی۔ شعرائی نظم کا مضمون شراب۔ عورتوں کا حسن وجمال۔ جنگ وجدل یا ظرافت ہوتا تھا +

ظہور اسلام سے پہلے اہل عرب لامذہب تھے۔ ولہوزن صاحب کی رائے ہے کہ جو مذہب اسلام سے پہلے رائج تھا وہ ظہور اسلام کے وقت بالکل ضعیف اور بمنزلہ نیست ونابود کے ہوگیا تھا۔ ہر فرقہ یا قبیلہ کا معبود جدا تھا۔ جس کے ساتھ قبیلے کا میل ذبیحہ یا قربانی کے ذریعے قائم رکھا جاتا تھا۔ ذبیحے کا خون معبود سے لگا دیا جاتا اور اس کا گوشت قبیلے کے لوگ کھا لیتے تھے۔ معبود بعض اوقات کوئی درخت مگر عموماً کوئی پتھر سمجھا جاتا تھا۔ معبود کے لئے ایک قطعہ اراضی کا مخصوص کردیا جاتا تھا۔ اُس کے اندر کے درخت اور جانور متبرک مانے جاتے تھے۔ اُسی میں مذہبی جلسے کئے جاتے تھے۔ اسی لئے اہل عرب پتھر یا بت پرست سمجھے جاتے ہیں۔ مگر دراصل وہ پتھر کو نہیں۔ بلکہ کسی دیوتا کو جس کا تعلق اُس پتھر سے ہوتا تھا پوجتے تھے۔ عرب کے قدیم معبودوں کی جماعت میں مختلف قسم کے معبود شامل تھے۔ ان میں صرف اُس ترتیب کے لحاظ سے جس میں اُن کی عبادت کی جاتی تھی اور اُن تعلقات کے لحاظ سے جو عابد ومعبود کے درمیان ہوتا تھا ایک قسم کا تطابق پایا جاتا تھا۔ عرب کا سب سے بڑا اور سب سے قدیم معبود اللات ہے جس کے معنی خاتون کے ہیں۔ وہ دراصل ایک دیوی ہے۔ اور دیگر سامی مذاہب کی دیویوں کے مانند وہ بھی ایک رعب دار حکومت وقدرت رکھنے والی دیوی ہے۔ وہ کسی دیوتا کی بیوی نہیں تھی۔ اور نہ لوگوں کا اس کے بارے میں ایسا خیال تھا۔ اُس کے عادات واطوار کا تو پتہ ضرور لگتا ہے۔ مگر اس کی تاریخ معلوم نہیں ہوئی

اور نہ اُس کے متعلق روایات وقصص۔ اہل عرب موجودات ایزدی اور اجسام فلکی کو بھی معبود مانتے تھے۔ وہ پانی برسانے والے آسمان کی بھی عبادت کرتے تھے۔ مگر ایسے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے تھے جو پاتال میں رہتے تھے ❖

علاوہ موجودات ایزدی کے معبودوں کے عرب میں ایک اور قسم کے معبودوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ اُن کے خواص اور روایات کچھ مبہم سے ہیں۔ اُن میں سے ایک قسم کے معبودوں کی عبادت حضرت نوح علیہ السلام کے ہمعصروں میں رائج تھی۔ وہ طویل القامت وجسیم انسان مانے جاتے تھے اور دودھ پینا اُن کا خاصہ تھا۔ مکے کا خاص دیوتا ہبل تھا وہ مینہ برسانے کی قدرت رکھتا تھا۔ ایک اَور دیوتا وُدّ تھا۔ وہ صاحب قدرت اور انسان تھا۔ وہ دو پوشاکیں پہنتا تھا۔ اور ایک تلوار۔ ایک برچھی۔ تیر اور ترکش لگاتا تھا۔ ایک تیسرے دیوتا کا نام طاغوت تھا جس کے معنی "مددگار" کے ہیں۔ اُسے اہل عرب جنگ میں ساتھ لے جاتے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک یا ایک سے زیادہ معبود ہوتے تھے۔ اور اُن کے نام پر بعض چیزیں متبرک مانی جاتی تھیں۔ جو لوگ ایک سیاہ پتھر کو بوسہ دیتے اُن کا دیوتا الگ تھا۔ اور جو سفید پتھر کو بوسہ دیتے اُن کا معبود بھی جدا تھا۔ بت سے معبودوں کی مورتیں بھی بنائی جاتی تھیں۔ اگر مورت پتھر کی بنائی جاتی تو اُس پر کچھ نقش ونگار کئے جاتے تھے۔ اگر لکڑی کی ہوتی تو بھدی طرز کی بنائی جاتی تھی۔ کعبہ اصل میں ایک سیاہ پتھر تھا جو مکے میں موجود ہے۔ اُس کو یا تو بوسہ دیا جاتا اور یا اس پر پیشانی رگڑی جاتی تھی۔ مگر اس مکعب عمارت کا نام رکھا گیا تھا۔ جس کی ایک دیوار میں سنگ اسود (کعبہ) نصب کیا گیا تھا۔ اس عمارت میں زمانۂ قدیم میں حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ وغیرہ کی مورتیں رکھی ہوئی تھیں۔

اُن میں سے بہت سی خود محمد صاحب کے زمانے میں موجود تھیں۔ انکو اُنہوں نے توڑ ڈالا۔ بعض اوقات کسی مورت کے لئے ایک جدا مکان بنایا جاتا تھا۔ اور ایک شخص اس کی حفاظت کے لئے مامور کیا جاتا تھا یہ شخص کوئی آلہ یا پانسے یا دیگر چیزیں اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور اُن کے ذریعے معبود کی مرضی معلوم کرتا۔ اس کے روبرو حلف اٹھایا جاتا قسم کھائی جاتی اور عہد و پیمان کیا جاتا تھا۔ جن کا گواہ وہی معبود سمجھا جاتا تھا۔

قدیم عرب جنون کے بھی قایل تھے۔ وہ معبود نہیں سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ معبودوں کا مسکن عالم بالا تھا۔ مگر وہ زمین پر رہتے اور لوگوں کو تکلیف دیتے تھے۔ وہ جس شکل میں چاہتے اُسی میں چلے جاتے۔ زیادہ تر سانپ کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ وہ ویرانوں میں رہتے اور رات کو لوگوں کو ستاتے تھے۔ وہ دیوتاؤں کی جاسوسی کرتے اور اُن کے ارادوں کی لوگوں کو جن پر چڑھے ہوتے یا جن سے اُنکا میل ہوتا خبر دیتے۔ عرب پرندوں اور حیوانوں سے شگون لیتے اور خواب کی تعبیر کے بھی قائل تھے۔

ظہور اسلام کے وقت عرب میں عبادت میں ایک ابتری واقع ہو گئی تھی۔ معبود ساکن یا مقامی تھے۔ مگر ان کے عابد فرقے خانہ بدوش یا سیلانی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک فرقہ اپنے معبود کو چھوڑ کر چلا جاتا اور دوسرے فرقے کے معبود کی عبادت کرتا اور کوئی اَور فرقہ اس کے معبود کی حفاظت و عبادت کرتا۔ اس لئے ہر معبد کی عبادت میں نئی نئی باتیں پیدا ہو جاتیں اور زیارت کا عام دستور ہو گیا تھا۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنے سابقہ معبود کی زیارت مقررہ اوقات پر کرنے جاتا تھا۔ مکہ میں اس قسم کے سیکڑوں معبود تھے۔ اسکا لئے گہ سب سے بڑی زیارت گاہ سمجھا گیا۔ تاہم اس طریقے سے

مذہب کمزور ہو گیا - اور عبادت کا رشتہ جس کے لئے کسی فرقے کو کسی دوسرے حصہ ملک میں جانا پڑتا تھا کمزور ہو گیا - مگر خون یا نسل کا رشتہ زیادہ قوی ہو گیا - اور اس طرح عبادت رفتہ رفتہ توہمات کا مجموعہ ہو گئی ؛

اہل عرب ایک اور معبود کے بھی معتقد تھے - اُسے وہ سب سے بزرگ و برتر خیال کرتے تھے - اس کا نام اللہ تھا - اللہ نہ کوئی تاریخی نام تھا - اور نہ اُس کا کوئی معبد تھا - اور نہ اس کے متعلق روایات و قصص تھے - اور بقول ولہوزن صاحب لفظ اللہ اسم نکرہ تھا نہ کہ اسم معرفہ - وہ کسی خاص دیوتا کا نام نہ تھا - بلکہ تمام دیوتاؤں کا ایک لقب تھا - ہر قبیلہ اپنے معبود کو اللہ کہتا تھا - جس کے معنی مالک یا حاکم کے ہیں - اور اس طرح پر زمانہ جاہلیت ہی میں عرب میں ایک ایسے معبود کا خیال پیدا ہو گیا جو تمام قبائل کا معبود تھا - اگرچہ قبائل کے معبودوں کی عبادت جاری رہی - لیکن اللہ کا خیال روز افزوں ترقی کرتا گیا - یہاں تک کہ اللہ کو سارے فرقے یا قبیلے اپنا معبود سمجھنے لگے - اور قبائل کے معبودوں کا درجہ گھٹتا گیا - اور اس طرح مختلف معبودوں کی عبادت کے ساتھ ساتھ ایک واحد خدا کی عبادت کا خیال ترقی کرتا گیا - محمدؐ صاحب جانتے تھے کہ ان کے ہم قوم کسی بڑی ضرورت کے وقت اللہ سے مدد مانگتے تھے - پس جب بتوں یا ادنے درجے کے معبودوں کے زوال کا وقت آیا تو اُن کو آسانی کے ساتھ زوال ہو گیا - کیونکہ عرب ایک ایسے معبود پر یقین لے آئے تھے جس کا مسکن آسمان یا عالم بالا پر تھا - جو کل مخلوق کا خالق تھا - جو رنج و راحت کا پہنچانے والا تھا - اور جس نے انسان کی زندگی کو اٹل باتوں کا تابع کر دیا تھا - اگرچہ عرب میں اس قسم کے خیالات پائے جاتے تھے - لیکن اللہ کا اخلاقی درجہ اس کے پرستاروں کے

اخلاقی درجے اور حالت سے افضل تر نہیں تھا۔ لوگ لوٹ مار کے مال کو اللہ کی بخشش سمجھتے تھے۔ مگر محنت سے حاصل کی ہوئی چیز کو کسی اور معبود کا عطیہ بتاتے تھے۔ تاہم بعض لوگ اللہ کو لوٹ مار سے دور رکھنے والا بتاتے تھے۔ وہ مسافروں کا حامی و حافظ اور دغا و فریب کا بدلہ لینے والا مانا جاتا تھا۔ وہ کوئی ایسی ہستی نہ تھا جیسے کہ یہودیوں کا معبود اور نہ وہ انسان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے والا تھا۔ بلکہ وہ موجود ذہنی اور قائم بالذات تھا۔ وہ ایک بڑا زبردست معبود تھا جسے عقل تسلیم کر سکتی تھی۔ وہ ابتدا ہی سے ایک طاقت و قدرت والا اور صاحب اخلاق معبود تھا۔ وہ دنیا پر بڑے سخت قواعد و ضوابط کے ساتھ راستبازی سے حکومت کرتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں مذکورہ بالا قسم کا ایک مذہب زور پکڑتا جاتا تھا +

اس سوال پر کہ آیا وہ مذہب جس میں اللہ کے معبود برتر ہونے کا خیال پایا جاتا تھا یہودیوں کے مذہب کے میل سے پیدا ہوا یا دین عیسوی کے میل سے بہت بحث ہو چکی ہے۔ یہ دونوں مذہب رسول عربی سے پہلے ہی عرب میں پہنچ گئے تھے۔ خود مدینے میں یہودیوں کی ایک خاصی آبادی تھی۔ کئی مقامات میں اُن کے معبد اور تعلیم گاہیں تھیں۔ البتہ دین عیسوی کا زیادہ زور نہ تھا۔ اس کے معتقد یا تو گوشہ نشین فقیر تھے یا چھوٹے چھوٹے قبائل۔ اہل عرب یہودیوں کو "اہل کتاب" گنتے تھے اور اس کتاب کی باتوں پر قدرے عمل بھی کرتے تھے۔ عرب ناخواندہ تھے۔ اور اس زمانے میں ادنٰے درجے کے معبودوں کی عبادت کو ترک کرتے جاتے تھے وہ یہودیوں کو جو خواندہ قوم تھے حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہودی

جن عادات کی وجہ سے جرمنی میں محسود ہیں اُن ہی کے باعث عرب میں محسود تھے - رہا دین عیسوی سو اُس نے صرف تھوڑے ہی مگر سمجھدار لوگوں کے دلوں پر اثر کیا تھا - یہ لوگ حنیفہ (Hunafa) کہلاتے تھے - اور ایک زیادہ اچھے مذہب کی جستجو میں تھے - اگرچہ عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مذاہب اپنی صحیح اور اصلی حالت میں نہیں پائے جاتے تھے تاہم مذہبی اور اخلاقی پہلو سے خدا کا جو خیال ان مذاہب میں پایا جاتا ہے اُس نے رسول عربی کے دل پر ضرور اثر کیا - عرب میں تمام معبودوں سے اللہ کے افضل و برتر ہونے کا ۴
خیال ترقی کر رہا تھا - پس اس بارے میں جو بات دوسرے ملک کے مذاہب میں پائی جاتی تھی اُس نے بھی اثر دکھایا اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا - گویا اللہ کے افضل و برتر ہونے کا خیال اہل عرب میں غیر ملک کے مذاہب کے باعث پیدا ہوا تھا +

اگرچہ بہت سے مذاہب کی ٹھیک ابتدا معلوم نہیں ہو سکی تاہم اسلام کی ابتدا صاف صاف معلوم ہو گئی ہے - البتہ اس کے سمجھنے میں جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے وہ روحانی طرز کی ہیں - ایک مذہب جو بہت سی قوموں اور نسلوں کے لئے مناسب تھا - اُس کی بنیاد وحشی قوم اور وحشیانہ وسائل سے کس طرح پڑی - اس سوال کے حل کرنے کے وسائل ہمارے پاس موجود ہیں - ان میں سے ایک قرآن ہے جو خود رسول صلعم عربی کا بنایا ہوا ہے - اُس کی سورتوں کی ترتیب تاریخی نہیں ہے - جن سے کوئی قصہ سمجھ میں نہیں آسکتا - اگر انہیں تاریخی ترتیب سے رکھا جائے جو علماء نے اب قایم کی ہے تو رسول صلعم عربی کے دل و دماغ اور عقل کی کیفیت بڑی صفائی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے - قرآن کے بعد احادیث ہیں - ان پر جو بسمع خراشی علمائے

محمدی اور دیگر علما نے کی ہے اس سے بہت سی باتیں ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گئی ہیں۔ اور وہ قابل اعتبار ہیں۔ کسی دوسرے مذہب میں احادیث کے متعلق پر افسانہ یا خیالی باتیں تاریخی باتوں سے ایسی آسانی کے ساتھ جدا نہیں کی جاسکتیں۔ ان کے انجام پانے ہی سے اسلام اپنی پوری آب و تاب سے نظر آنے لگا۔

**محمدؐ صاحب کی ابتدائی زندگی** - محمدؐ صاحب کی پیدائش قبیلہ قریش کے ایک خاندان میں ۵۷۰ء میں ہوئی۔ یہ قبیلہ بڑا زوردار تھا۔ اور ملک شام میں قافلوں کے ذریعے تجارت کیا کرتا تھا۔ وہ خانہ کعبہ کا جو عرب کے مذہب کا مرکز تھا نگراں اور ولی بھی تھا۔ بچپن ہی میں محمدؐ صاحب کے والدین فوت ہو گئے۔ اس لئے انہوں نے اپنے عزیز و اقارب کے زیر سایہ پرورش پائی اور گلہ بانی کرنے لگے۔ اس کام میں اُن کو غور و خوض اور مراقبہ کرنے کی عادت پڑ گئی۔ عنفوان شباب میں انہوں نے ایک بیوہ بی بی خدیجہؓ کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور اُن کی طرف سے ملک شام و فلسطین میں تجارت کرنے کے لئے گئے۔ جہاں ان کو یہودیوں اور مسیحیوں سے سابقہ پڑا اور انہوں نے اُن کے مذاہب کی بہت سی باتیں سیکھ لیں۔ بی بی خدیجہؓ نے اُن کے انداز اور محنت و جانفشانی سے خوش ہو کر ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے چند سال بعد محمدؐ صاحب نے مذہبی امور پر غور و خوض شروع کیا۔ اور فرقہ حنیفہ سے میل جول ہونے کی وجہ سے اس میں زیادہ پختگی آگئی۔ یہ فرقہ ایک واحد خدا کی پرستش قائم کرنے کی فکر میں تھا۔ واحد خدا کی پرستش ہی کا نام اسلام ہے۔ اور اس کی پرستش کرنے والے کا لقب مسلم ہے۔ یہ بات تو یہودیوں کے مذہب کا شائبہ تھی۔ مگر قیامت کا خیال دین عیسوی کا شائبہ تھا۔ جس کے اثر سے

فرقہ حنیفہ کے لوگ اکثر زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے اور تارک الدنیا ہو جاتے تھے ؎

جس طرح کہ فرقہ حنیفہ کے لوگ گوشہ نشین اور تارک الدنیا رہتے تھے اُسی طرح خود محمدؐ صاحب بھی دنیا سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ اور تنہائی میں مراقبے کرنے لگے۔ ایک عرصے تک وہ فرقہ حنیفہ کے خیالات کے تابع اور معتقد رہے۔ اور الٰہی مرضی اور رہنمائی کے آگے سر جھکانے والے بنے رہے۔ اور وہ بھی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ۔ اور یہ بھی سمجھتے رہے کہ خدا قادر و حاضر و ناظر ہے۔ اور مجھے افعال کا ایک قادر و منصف خدا کے سامنے جواب دینا پڑیگا۔ مزید برآں ایک اور واقعہ ہے جس کے باعث رسولؐ عربی کا ارادہ زیادہ پختہ ہو گیا۔ اور جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے اُن کو کوئی ایسی دماغی حالت پیش آئی جس کے باعث اُنہیں عجیب و غریب کوائف کا سامنا اور نظارہ ہوتا تھا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ کوئی فرشتہ خدا کی طرف سے آ کر اُن کو خدا کی مرضی پیغام کے پیرائے میں پہنچاتا رہتا ہے۔ اور چونکہ محمدؐ صاحب ایسی باتوں کی تعلیم دینے لگے جو پہلے سے عرب میں زور پکڑتی جاتی تھیں۔ اور جن کے رواج کے لوگ شایق تھے۔ اس لئے جو کچھ تعلیم اُنہوں نے دی۔ لوگ اُس پر آمادہ ہو گئے اور نہ دل سے قبول کر کے اُس پر عمل کرنے لگے ؎ لے

**الہامات**۔ رسولؐ عربی کی عمر اُس وقت جبکہ وہ خیالات جو اُن کے دل میں مدت سے سمائے ہوئے تھے ظاہر ہونے لگے چالیس سال کی تھی۔ ایک رات کو جبکہ وہ غار حرا میں سو رہے تھے تو اُنہوں نے رویا میں دیکھا کہ ایک فرشتہ اُن کے پاس آیا اور اُن کو ایک کاغذ دکھا کر کہنے لگا کہ اسے پڑھئے۔ آپؐ اُمّی (ناخواندہ) تھے۔ مگر

لے شاید اسی زیادہ جھوٹ تاریخ بھی بیان کر سکتی

فرشتے نے آپ سے اس کے پڑھنے کے لئے اصرار کیا۔ آپ نے جب اسے پڑھنا چاہا تو پڑھ دیا۔ یہ گویا آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝ (سورہ علق)

اس کا ترجمہ یہ ہے۔ "تو اپنے اس رب کا نام بول جس نے پیدا کیا۔ انسان کو پھٹکی سے بنایا۔ تو پڑھ اور تیرا رب بہت بزرگ ہے۔ جس نے بمدد قلم علم دیا۔ آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔ ہرگز نہیں آدمی سرکشی کرتا ہے جب آپ کو تونگر دیکھے۔ بے شک تیرے رب کی طرف جانا ہے"+

تمام بنی انسان کو خواہ ان کا یہ خیال بھی کیوں نہ ہو کہ اُن کو سوائے اپنے ہی قوت بازو کے اور کسی مدد کی ضرورت نہیں خدا کے روبرو روز قیامت حاضر ہو کر اپنے فعلوں کی جواب دہی کرنی پڑیگی۔ رسول عربی نے اول اول یہ مسئلہ اپنی قوم کے روبرو پیش کیا اور یہ پیشینگوئی کی کہ خدا نے جو اس مسئلہ کی تبلیغ چاہتا ہے اُس کی ایک نقل کتاب آسمانی میں سے بذریعہ مکاشفہ کے اُنکے پاس بھیج دی ہے۔ یہ آسمانی کتاب یہودیوں۔ عیسائیوں اور رسول عربی کے الہامات کا ماخذ ہے۔ پہلی سے آپ پر بڑا اضطراب طاری ہوا۔ اور آپ خیال کرنے لگے کہ آپ پر کسی جن کا سایہ ہو گیا ہے۔ مگر جب دو تین سال بعد اُن کو اسی قسم کا ایک اور رویا دکھائی دیا تو اُن کے اضطراب و پریشانی کو ترقی ہوئی اور وہ الہام یہ ہے کہ:۔

"قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (سورہ مدثر)
اس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اے محمد اٹھ اور ڈر۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول۔ اور اپنے کپڑے پاک کر۔ اور پلیدی دور کر۔ اور بہت لینے کے لئے احسان نہ کر۔ اور اپنے رب کا منتظر رہ" +

اس کے بعد وحی جلد جلد آنے لگی اور محمدؐ صاحب نے یہ سمجھ لیا اور پختہ یقین کر لیا کہ وہ خدا کی طرف سے اپنی قوم کے لئے نبی مقرر کئے گئے ہیں۔ انہوں نے پہلی وحیوں کو یہ سمجھا کہ وہ ایک کسی خارجی طاقت کی طرف سے آتی ہیں۔ مگر ان کی قوم نے اُن کی بابت کچھ اور ہی خیال کیا۔ وہ آپؐ کو مثل دیگر انبیاء کے مجنون سمجھنے لگے یا یہ کہ ان پر کسی جن کا سایہ ہو گیا ہے۔ یہ بات اُن کو چاٹ گئی کیونکہ خود انہوں نے ابتدا میں ایسا ہی خیال کیا تھا۔ اگرچہ پہلی وحیاں جیسا کہ رسول عربی نے خیال کیا الہام کہی جانے کے قابل تھیں۔ لیکن بعد کی وحیاں پہلی وحیوں سے مختلف تھیں۔ اور آگے چل کر تو رسول عربی میں ہر موقع اور ہر بات کے مطابق جو ظہور میں آتی تھی وحی پیش کرنے کی قدرت پیدا ہو گئی تھی + ۳

**پند و نصائح**۔ رسول عربی نے اُن احکام کی تعلیم جو اُن پر وحی کے ذریعے نازل ہوتے تھے۔ سب سے پہلے اپنے عزیز و اقارب اور آشناؤں کو دی۔ مگر ان کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ بلکہ وہی جو حضرت ابراہیمؑ نے دی تھی اور جو یہودیوں اور مسیحیوں کی کتب مقدسہ میں درج تھی۔ رسول عربی کا ارادہ کسی نئے مذہب کے قائم کرنے کا نہ تھا۔ انہوں نے اپنے رشتے داروں کو نصیحت کی کہ وہ اللہ کی جو سب سے قادر اور برتر اور سچا خدا اور منصف ہے اور جس کے سامنے آنکھ

جلد اپنے افعال کی جواب دہی کرنی پڑیگی اطاعت کریں۔ بت پرستی کو ترک کر دیں۔ اور روزہ اللہ کی عبادت کریں۔ اور خیرات بلا امید کسی اجر کے دیا کریں۔ اور زہد و تقوے کی زندگی بسر کریں۔ مگر بعد میں نئی سورۃ کے نازل ہونے سے اُن کو ان باتوں کی عوام الناس کو تعلیم دینے کی جرات ہو گئی۔ مگر اہل مکہ نے اُن کی تعلیم پر مطلق توجہ نہ دی۔ بلکہ اس کی مخالفت کی جس سے اس میں ایک قسم کی سختی آگئی جو پہلے نہ تھی ٹ اور رسولؐ عربی نے عوام الناس کے عقیدے پر کھلم کھلا حملے شروع کر دئے۔ جب اہل مکہ نے اُن کی زبان سے یہ سُنا کہ اُن کا مذہب لغو اور خدا کے نزدیک قابل نفرت ہے۔ اُس کے ماننے والوں پر اللہ کا قہر نازل ہوگا۔ اُن کے باپ دادے اسی مذہب کو ماننے کے باعث دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں تو اُنہوں نے رسولؐ عربی کے دوستوں سے کہا کہ وہ اُن کی زبان بند کریں۔ مگر رسولؐ عربی نے کسی بات کو نہ مانا۔

جس طرح دیگر انبیا کو اُن کی قوم نے ستایا اُسی طرح محمدؐ صاحب کو بھی۔ ان کو ٹھٹھوں میں اُڑایا۔ مجنون بنایا اور دھمکیاں دیں۔ اور جب کبھی وہ مغموم ہوئے تو وحی سے اُن کو تسلی ہو گئی کہ ان کے دشمن ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کا مذہب دنیا بھر میں پھیل جائیگا۔ اور ایک دن منکرین اور سارے لوگ اُن کی تعلیم پر ایمان لے آئینگے مگر لوگوں کی دھمکیوں اور مظالم کا اُن پر ضرور اثر ہوگا۔ اور ایک موقع پر انھوں نے یہ سورۃ خانہ کعبہ میں پڑھی وہ جس میں اللہ کی تین بیٹیوں کی جن پر اہل مکہ کا پورا اعتقاد اور بھروسہ تھا تعریف تھی۔ اگرچہ اس سے اہل مکہ خوش ہو گئے۔ لیکن جب رسولؐ عربی گھر پہنچے تو حضرت جبرئیل نے اُن کو اس فعل پر ملامت کی۔ اور اُنہوں نے اپنی کہی بات کو پھیر لیا

ٹ سچ کہا ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔ ابھی ۱۴۲ صفحہ میں کہا گیا کہ لوگ مشتاق تھے۔ اور اب کہا جا رہا ہے کہ سختی آ گئی

اور پھر اہل مکہ کے خلاف وعظ کہنے لگے[2]۔ اس سے لوگ اُن سے سخت ناخوش اور جانی دشمن ہوگئے۔ اُنہوں نے محمد صاحب اور اُن کے معتقدین سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ اور دو سال تک اُن کو طرح طرح سے ستاتے رہے اور ہی محمد صاحب نے اپنی تعلیم میں زیادہ سخت و دلگیر الفاظ کا اضافہ کر دیا کہ اہل مکہ ہمیشہ کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ اور مثال کے طور پر وہ قصص پیش کئے جن میں حضرت موسیٰ اور حضرت نوح کے ستانے والوں پر قہر الٰہی نازل ہونے کا ذکر تھا۔ مگر ان باتوں کا اہل مکہ پر مطلق اثر نہ ہوا کیونکہ وہ حیات بعد الموت اور جسم کی قیامت کے قائل ہی نہ تھے۔ مگر اس کے متعلق بھی رسول عربی نے مثالیں اور قصص پیش کر کے کہا کہ شک لانے والوں کا برا حال کیا جائیگا ॰

رسول عربی میں اگرچہ سخت کلامی زیادہ تھی۔ تاہم بہت سی خوبیاں بھی تھیں جن کے باعث اُن کے معتقدین نے اُن کا ساتھ نہ چھوڑا اور چونکہ وہ اُن کو خدا کا پیغامبر اور مقرر کردہ سمجھتے تھے اس لئے اُن کی تعلیم کو سچا مانتے تھے اور اُن کے جاں نثار بنے رہے ॰

**ہجرت**۔ ادھر تو اہل مکہ مخالفت پر ڈٹے ہوئے تھے اور اُدھر قضائے الٰہی سے رسول عربی کی شفیق و مہربان اور رحمانی بی بی خدیجہ کا انتقال ہوگیا۔ اس لئے آپ نے مکہ سے نقل سکونت کر کے کسی دوسری جگہ چلے جانے کی دل میں ٹھان لی۔ سب سے پہلے آپ نے طائف کو نقل سکونت کی ٹھیرائی۔ مگر وہاں کے لوگوں نے آپ کو وہاں جانے سے روکا۔ اس کے بعد ایک میلہ میں اہل مدینہ سے آپ کی ملاقات ہوئی جو آپ سے عزت کے ساتھ پیش آئے اور آپ کی تعلیم کو اچھا بتایا۔ مدینہ کے لوگ جن میں یہودیوں کے خیالات زیادہ رائج تھے ذرا روشن خیال تھے۔ اس لئے وہاں آپ کو اپنی

تعلیم کے رواج دینے کا اچھا موقع نظر آیا - اہل مدینہ نے یہود سے سنا
تھا کہ ایک مسیح آنے والا ہے - اس لئے انھوں نے یہ خیال کیا کہ اگر
یہ مسیح اُن ہی کی قوم میں سے ہو تو بہتر ہے - اور وہ مسیح کہیں محمدؐ صاحب
ہی نہ ہوں - اس خیال سے اہل مدینہ نے اُن کو مدینہ آنے کی ترغیب
دلائی - اور اُن کی تعلیم کو ایک سال تک مدینہ میں خوب اشاعت
ہوئی اور اب اُن کے یقایا صحابہؓ نے حلف اٹھایا کہ سوائے اللہ
کے اور کوئی معبود نہیں ہے - کہ وہ کسی دوسرے کے مال پر دست
درازی نہ کریں گے - کہ وہ زنا سے پرہیز کرینگے - کہ وہ معصوم بچوں کو
قتل نہ کریں گے کہ وہ دختر کشی سے الگ رہیں گے - کہ وہ کسی پر تہمت
نہ لگائیں گے - اور یہ کہ خدا کے پیغمبرؐ کی بات مانیں گے - ان اصلاحوں
کے شروع کرنے کے بعد محمدؐ صاحب نے اپنے رفقا کو مدینہ کو نقل
سکونت کرنے کا حکم دیا - جسے ان لوگوں نے قبول کرلیا - اور مدینہ
چلے گئے - محمدؐ صاحب کی ہجرت ۱۶ جون ۶۲۲ء کو واقع ہوئی - اور
اسی تاریخ سے سن محمدیؐ کی ابتدا ہوئی - نہ کہ پیغمبر اسلام کے سن پیدائش
سے - کیونکہ اسی وقت سے اسلام اپنی فتوحات کے رستے میں داخل ہوا -
مدینہ کی جمہوری صفات والی سوسائٹی میں محمدؐ صاحب بہت جلد
سب سے زیادہ بارسوخ اور طاقتور شخص ہو گئے - وہاں انھوں نے
مذہبی عبادت کو ترتیب دیا - اور سوسائٹی میں جو نزاعات اور جھگڑے
رہتے تھے ان کو مٹا دیا - لوگوں کو ایک ان کی عبادت کے رشتے میں
باندھ لیا - اور نزاعات و مقدمات میں اپنے فیصلوں سے ایک
نئے فقہ کی بنیاد ڈالی - گویا سوسائٹی کو بہت نفع پہنچایا - مدینہ میں
6 خدائی حکومت قائم ہوگئی اور محمدؐ صاحب بہ حیثیت ایک نبیؐ کے
اس کے حاکم اعلیٰ اور منتظم سمجھے جانے لگے - مذہبی اور ملکی دونوں معاملات

میں رسولِ عربی نے بڑی قابلیت دکھائی - اور اپنے مذہب اور حکمت عملی کو عوام الناس کے حسب حال بنا دیا - اور اس طریقے میں وہ مطلق العنان فرمانروا بن گئے - مدینہ پہنچنے پر محمدؐ صاحب نے ترتیب عبادت پر توجہ دی - اور عبادت کے لئے ایک جگہ جسے مسجد کہتے ہیں تقرر کی گئی - اسی مسجد میں محمدؐ صاحب ان باتوں کی تعلیم دیتے تھے جو اسلام لانے والوں کے لئے فرض تھیں - اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ فلاں بات کس طرح ادا کی جائے اُنہوں نے اس کو خود کر کے دکھا دیا - اس مسجد نبوی میں وہ مسلم برادرانہ زندگی اور ان سخت قواعد کی پابندی جن کے باعث وہ غیر مسلم سے تمیز کئے جاتے تھے سیکھتے تھے"۔

عرب میں خون کا رشتہ بہت قوی تھا - اسلام نے اُسے اور تقویت دیدی - ہر مسلم دوسرے مسلم کو بھائی سمجھتا تھا - حالانکہ دونوں جدا جدا قبیلے کے ہوتے تھے۔ مذہبی رشتہ تمام رشتوں پر فوق لے گیا - مدینہ میں سکونت کرنے کے بعد رسولِ عربی نے لوگوں کو شراب خواری اور شراب فروشی ترک کرنے اور عورتوں کو چہرہ پر نقاب یا برقع استعمال کرنے کا حکم دیا اور ہر طرح پر اُن کو غیر مسلموں سے ایک علیحدہ جماعت بنانے اور ثابت کرنے کی کوشش کی - اُنہوں نے یہ بھی تعلیم دی کہ کفار سے خواہ وہ اپنے عزیز ہوں جنگ کرنی چاہئے - یہ اسلام کو عالمگیر مذہب بنانے کی پہلی تدبیر تھی - جو لوگ ایسی جنگ میں شریک ہوں گے اُن کو مال غنیمت ملے گا - جو ان میں شہید ہوں گے ان کو جنت نصیب ہو گی ۔ خود محمدؐ صاحب اور اُن کے ساتھی جنگ میں بڑی بے رحمی کا برتاؤ کرتے تھے جو لوگ جنگ میں قید کرلئے جاتے ان کو قتل کر دیا جاتا تھا - اور قبیلے کا قبیلہ جو دشمنوں کی امداد کرتا اور محاصرے کے بعد اطاعت قبول کرلیتا وہ بھی قتل کر دیا جاتا تھا ۔ (اس سے بڑھ کر تعصب ہو گا)

جب رسول عربی کی طاقت بہت بڑھ گئی تو انہوں نے دوسرے مذاہب سے دوستانہ تعلقات قطع کر لئے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم میں یہ اقرار کیا کہ اُن کا مذہب وہی تھا جو یہود اور نصاریٰ کا۔ اور قرآن ان ہی دونوں قوموں کی الہامی کتابوں کا تتمہ ہے۔ اور ان نبیوں کے سلسلے میں جو ان دونوں مذاہب میں گذرے ہیں وہ آخری شخص ہیں۔ مثل دیگر بانیان مذہب کے انہوں نے بھی ابتدا میں کسی نئے مذہب کے قایم کرنے کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ یہی کہا کہ وہ ان دونوں مذاہب کو جو تاریکی میں پڑ گئے ہیں پھر بحال کر کے روشنی میں لانا چاہتے ہیں اول اول تو یہود اور نصاریٰ کے ساتھ اُن کے دوستانہ تعلقات رہے۔ مگر بعد میں انہوں نے یہود سے جن کا مدینہ میں بڑا زور تھا۔ یہ تعلقات قطع کر لئے۔ ابتدا میں تو ان کے معتقدین یروشلم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر بعد میں انہوں نے اُن کو مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اس نئے قبلے کے مقرر کرنے نے صاف ظاہر کر دیا کہ اسلام مذہب یہود سے مختلف اور عربی النسل تھا۔ نہ کہ یہودی نژاد۔ اس سے یہود اُن کے دشمن اور جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مگر جنگ میں محمدؐ صاحب کا پلہ بھاری رہا اور یہودیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ رہے عرب کے عیسائی سو اُن میں اتنی جان ہی نہ تھی کہ وہ محمدؐ صاحب کے خونخوار گروہ کے مقابلے میں عہدہ برآ ہو سکتے۔ اس لئے انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا +

**خانگی امور۔** مدینہ کے قیام میں محمدؐ صاحب نے کئی بیویاں کر لیں۔ انہوں نے کئی موقعوں پر اس بات کو روا اور جائز رکھنے والے الہامات پیش کئے۔ حالاں کہ انہوں نے عورتوں کی پوزیشن (حالت) کو اعلیٰ تر بنانے کی کوشش کی۔ لیکن اس بارے میں کوئی عمدہ کام نہ کر سکے

**فتح مکہ** - مکہ کو قبلہ بنانے سے رسول عربی نے یہ ظاہر کر دیا کہ مکہ کل عرب کا مذہبی پایہ تخت ہے - اگرچہ اہل عرب نے اُن کو وہاں سے نکال دیا تھا - لیکن وہ اس شہر کو بھولے نہیں تھے - انہوں نے اہل مکہ سے اس کا بدلہ لینے کا ارادہ کر کے اُن سے جنگ شروع کر دی اور اُن کے قافلوں کو لٹوایا - مگر جنگ بدر میں جو غزوہ بدر کے نام سے مشہور ہے اور جو ۶۲۳ء میں واقع ہوئی محمد صاحب کا گروہ اہل مکہ پر غالب آگیا جس سے اہل مکہ ان کی تعظیم کرنے اور اُن سے خوف کھانے لگے - اس کے بعد محمد صاحب نے ۶۲۸ء میں مکہ کا حج کیا اور اگرچہ قریش نے اس موقع پر اُن کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے روکنا چاہا مگر بعد میں صلح کر لی - اور اُن کو آیندہ بھی حج کی اجازت دیدی - اسی اثنا میں رسول عربی کی طاقت و اثر سارے عرب میں پھیل گیا - اس لئے اہل مکہ سمجھ گئے کہ وہ زیادہ دنوں تک اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے - ۶۳۰ء میں محمد صاحب ایک بڑی جماعت لیکر مکہ پر چڑھ گئے اور اس پر قبضہ کر لیا مگر اس فتح میں اُنھوں نے صرف چار آدمیوں کو قتل کیا - اور اہل شہر کو کوئی تکلیف نہ دی اور کوئی نقصان نہ پہنچایا - دشمنوں کے معبودوں کی عبادت بھی قائم رکھی - مگر خانہ کعبہ میں کے سارے بت تڑوا دئے +

اس نئی فتح سے مکہ کی وقعت بڑھ گئی - اور وہ اسلام کا مرکز بن گیا - فتح کے ایک سال بعد محمد صاحب نے حج کیا - اور جو باتیں[لہ]

لہ (۱) استلام حجر اسود (سنگ اسود کا چومنا) (۲) طواف کعبہ (کعبہ کے چاروں طرف گھومنا) - (۳) شرب ماء زمزم (آب زمزم کا پینا) - (۴) السعی بین الصفاء والمروی (کوہ صفا اور مروا کے درمیان دوڑنا) - (۵) الرمی (کنکریاں پھینکنا) - (۶) نحر (قربانی کرنا) (۷) حلق (سر منڈانا) مگر ان سب باتوں سے پہلے وقوف بہ عرفات (عرفات جو مکہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے وہاں حاجیوں کھڑے ہوکر امام کا خطبۂ حج سننا - دراصل حج اسی رسم کا نام ہے) ہوتا ہے +

مسلمانوں کو حج میں کرنی چاہئے تھیں اُن کو خود کر کے دکھا دیا۔ یہ باتیں اسلام سے پہلے کی تھیں اور بت پرستوں کی۔ محمد صاحب اُن کو توڑ نہ سکے۔ مگر اُن میں اصلاح کر کے اُن کو اسلام میں داخل کر لیا۔ گویا اسلام کو قومی قصص کا مجموعہ بنا کر اُسے قومی مذہب بنانا چاہا۔ اور اُن کے کر دکھلانے کے بعد اُنہوں نے یہ آیت جو اُن پر نازل ہوئی تھی پڑھی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ؀ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی" +

اسلام اہل مکہ کی رسوم کو قبول کر کے عرب کا قومی مذہب بن گیا اور اس روایت کو کہ خانہ کعبہ کی بنیاد حضرت ابراہیم نے ڈالی تھی شہرت دیکر یہ ثابت کرنا چاہا کہ اسلام اُس مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ جو قبل بت پرستی کے عرب میں جاری تھا یعنی اسلام۔ اور یہ ظاہر کیا گیا کہ خانہ کعبہ شروع ہی سے صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس لئے اس میں کسی بت پرست کو قدم نہ رکھنے دیا جائے۔ اس طرح خانہ کعبہ بت خانہ کی حیثیت سے گزر کر خانہ اسلام بن گیا +

اہل مکہ کے اسلام لاتے ہی عرب کے سارے لوگ اُسے قبول کرنے لگے۔ اس خیال سے کہ جو لوگ قبول نہ کریں گے اُن سے جنگ کر کے اُن کو ہلاک کر دیا جائے گا اور اُن کا مال و زر لوٹ لیا جائیگا۔ صرف طائف کے باشندوں نے کچھ رعائتیں مانگی تھیں مثلاً زنا۔ سود خوری اور شراب خوری جاری رکھی جائے۔ اور اُن کی اُس دیوی کی صرف ایک ماہ کی پرستش کی اجازت دیدی جائے جسے وہ پوجتے ہیں۔ مگر اُن میں سے کوئی بات منظور نہ کی گئی۔ لیکن صرف یہ کہ اُن کی دیوی کی مورت کو اُن کے ہاتھ سے نہ تڑوایا جائیگا +

۶۳۲ء میں محمدؐ صاحب فوت ہوگئے۔ مگر اپنی زندگی میں ہی اُنہوں نے مسلمانوں کے لئے ایک ایسا راستہ کھول دیا جس پر چل کر وہ اسلام کو پھیلا سکتے اور اُنؐ کو یقین تھا کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل جائیگا۔ اسی غرض سے اُنہوں نے شاہ ہرقل۔ شاہ فارس۔ حاکم مصر اور دیگر فرمانرواؤں کے پاس اسلام قبول کرنے کا پیغام روانہ کیا۔ اور جب پیغام کا اثر نہ ہوا تو جنگ (جہاد) کی تیاریاں کیں۔ کیونکہ کفار سے جنگ کرنا روا تھا۔ قیدیان جنگ اور مال غنیمت کے متعلق قواعد منضبط ہو چکے تھے۔ قیدی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز قرار دیدیا گیا تھا +

**مسلمانوں کے فرائض**۔ مسلمانوں کے فرائض پانچ ہیں (۱) خدا کو واحد اور محمد صاحب کو اس کا رسول جاننا (۲) دن میں پانچ وقت نماز پڑھنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) ماہ رمضان میں مہینہ بھر روزہ رکھنا (۵) مکہ کا حج کرنا + مسلمانوں کی پاک کتاب قرآن ہے۔ مثل دیگر کتب مقدسہ کے اُس میں تاریخی پہلو سے مضامین کی کوئی ترتیب نہیں پائی جاتی وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ سمجھی جاتی ہے۔ اس میں دنیا کی بہت سی باتوں کا ذکر ہے۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی قصص بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں خود محمدؐ صاحب کی بھی بہت کچھ تعریف و توصیف کی گئی ہے +

**اسلام بہ حیثیت عالمگیر مذہب کے**۔ اسلام میں عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس نے بہت جلد ترقی کی اور دنیا کے ایک بڑے حصے پر تسلط کر لیا۔ جتنی ترقی مسیحی دین نے صدیوں میں کی اسلام نے سالوں میں کر لی۔ اُس کی ابتدا گو ورسادی اور ادنے درجے کی تھی۔ مگر وہ بڑھتے بڑھتے قوی اور پھر عالمگیر مذہب بن گیا۔

وہ ہے بھی عالمگیر مذہب کیونکہ اس میں ان باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ "خدا واحد ہے۔ حاضر و ناظر اور قادر ہے۔ ہر شخص کو اپنے فعلوں کا حساب اس کے روبرو دینا پڑے گا۔ خدا کی مرضی کی اطاعت کرنی اور اس کے حکموں کو ماننا چاہیئے۔ خدا رحیم اور رحمن ہے۔ خدا اپنے بندوں کی خواہشوں اور کوششوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔ بندوں کو اس سے محبت کرنی اور اس سے ڈرنا چاہیئے یہ باتیں کسی خاص فرقے یا قوم سے تعلق نہیں رکھتیں۔ بلکہ دنیا بھر کے لوگوں سے +

اسلام میں یہ کمزوریاں ہیں کہ "وہ بتدریج ترقی کرنے والا نہیں ہے۔ جو خیالات اس میں پائے جاتے ہیں وہ بے لطف اور پست ہیں۔ اُس نے بہت ہی جلد ترقی کی۔ اُس کے مسائل مقرر ہیں۔ اور نہ اُن میں کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے۔ اُس کا اخلاق اُس درجے کا ہے جس میں انسان بت پرستی سے نکل کر داخل ہوتے ہیں مگر جس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مجاہدین کی خدمت جنت میں حوریں کرتی ہیں۔ یہ خیال اخلاق کے خلاف ہے۔ اسلام ایک ضابطہ ایسے لوگوں کی تعلیم کا ہے جن کی دماغی اور عقلی حالت اونے درجے کی ہو۔ وہ اُن کو زہد و تقویٰ اور نفس کشی کی کسی قدر تعلیم دینے کے قابل ہے مگر انکو انسانی زندگی اور خیالات کے اعلےٰ درجے اور ترقی تک نہیں لے جاسکتا۔ وہ آزادی کا دشمن ہے۔ اس کے مسائل منفی مسائل ہیں۔ اور اللہ دوسرے معبودوں کی نفی ہے۔ حقیقی خوبیاں اس کا خاصہ نہیں۔ وہ انسانی کوشش کے نتایج سے ہمدردی نہیں رکھتا۔ اس کا الہام منفی الہام ہے۔ وہ اعلےٰ

درجے کی اور عمدہ باتوں کی کوشش کے لئے تحریک نہیں کرتا۔ وہ اپنے تخت حکومت پر ہمیشہ شمکن ہے۔ اُس کی آواز تو سُنائی دیتی ہے۔ مگر وہ نہ فروتنی کرنا چاہتا اور نہ لوگوں پر التفات کرتا۔ وہ انسان کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ اس لئے وہ انسانوں کو اچھی طرح اور روحانی نفع نہیں پہنچا سکتا +

# حصہ چہارم

## آریہ نسل اقوام کا مذہب

## آریوں کا مذہب

علم اللسان کی تحقیقات سے یہ بات درجہ یقین کو پہنچ گئی ہے کہ یورپ کی سربرآوردہ قومیں اور نیز ہندوستان و فارس کے باشندوں کی بولیاں یا زبانیں ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ اُن کا ماخذ سنسکرت نہیں بلکہ ایک اور قدیم زبان تھی۔ جس کی قائم مقام سنسکرت کی نسبت لیٹنک زبان (قوم لیٹس کی بولی) ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے خواص زیادہ تر اسی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ اور سنسکرت اُس زبان کے بچوں میں سے ایک ہے +

جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ مذکورہ بالا ملکوں کی بولیاں آپس میں ملتی ہوئی اور ایک ہی اصل سے ہیں تو یہ نتیجہ نکالا گیا

کہ جو قومیں اُن ملکوں میں آباد ہیں وہ بھی ایک ہی خاندان سے ہیں ۔ اور اُن کی ابتدا ایک ہی ملک کے لوگوں سے ہوئی ہے ۔ اس نتیجے کے ظہور میں آتے ہی یہ سوال پیدا ہو گیا کہ جس قوم کی شاخیں تمام آریہ اقوام ہیں اس کا اصلی وطن کون سا تھا اور کہاں ؟ اس سوال کے جواب میں عالموں نے یہ رائے قائم کی کہ اس قوم (آریہ قوم) کا اصلی وطن براعظم ایشیا میں تھا اور کوہ پامیر کے قرب میں ۔ یہاں سے چل کر اس قوم کے لوگ یورپ کے ملکوں اور ہندوستان و فارس تک میں پھیل گئے ۔ لیکن بعد میں لوگ اس بات میں شک لانے لگے اور آریہ قوم کا اصلی وطن یکے بعد دیگرے دریائے ڈینوب کی وادیاں ۔ بحیرہ بالٹک کے جنوبی سواحل ۔ اور اسکینڈینیویہ قرار دئے گئے ۔ اور اُس کی تائید میں یہ دلیل پیش کی گئی کہ چونکہ یورپ میں آریہ نسل کے لوگ زیادہ آباد ہیں اس لئے اس قوم کا وطن سرزمین یورپ ہی میں تھا ۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد یہ رائے قائم کی گئی کہ یہ اقوام ایک ہی دادے کی اولاد میں نہیں ہیں اور ان کا باہمی تعلق یا رشتہ نسل کا نہیں بلکہ صرف زبان اور تہذیب کا ہے ۔ لیکن اس رائے نے ابھی تک عام رائے کی تائید حاصل نہیں کی ۔ کیونکہ بڑے بڑے محققوں کی اب تک یہ رائے ہے کہ جتنی قومیں آریہ نسل سے ہیں اُن کی ابتدا ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم سے ہے ۔ اور اس قوم کا اصلی وطن وہ ملک ہے جس میں روس کے جنوبی میدان ۔ اور وہ میدان جو بحیرہ اسود بحیرہ خضر اور بحیرہ ارال کے شمال میں ہے شامل ہیں ۔ اس ملک کے باشندے جو خانہ بدوش تھے اور مویشی پالتے تھے ۔

نقل سکونت کرنے سے پہلے ایک ہی زبان بولتے تھے۔ نقل مکانی کے ذریعے وہ جوں جوں ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے توں توں اُن کی بولی وغیرہ میں فرق آتا گیا۔ اس قوم کے ایک گروہ نے یورپ کا رخ کیا۔ اور دوسرے نے فارس و ہندوستان کا +

آریہ قوم اگرچہ وحشی۔ خانہ بدوش اور صرف چند چیزوں کے استعمال سے واقف تھی لیکن رفتہ رفتہ ہر بات میں اس نے ترقی کر لی۔ اور پہلے اس کی اُس شاخ نے جو اصلی وطن سے چل کر ایشیا کے دیگر ملکوں میں آباد ہوئی ترقی کی۔ اس قوم کی ترقی کی باتوں سے قطع نظر کر کے اس وقت ہم اُن کے مذہب پر قلم اُٹھاتے ہیں +

آریہ قوم کے مذہب میں دو باتیں پائی جاتی تھیں۔(۱) اُن کا مذہب خاندانی مذہب تھا۔ ان میں مردہ بزرگوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ جس میں صرف اپنے ہی خاندان کے لوگ شریک ہو سکتے تھے۔ اور تمام لوگ جو ایک ہی خون سے نہ تھے مذہبی رسوم اور عبادت سے علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ اور عبادت میں ہر شخص کو اپنی طرف سے یا اپنے واسطے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ اپنے خاندان کی طرف سے اور خاندان کے لئے۔ مذہب کی اس خوبی کے باعث آریوں کا خاندان مقدس سمجھا جاتا اور اس سے خاندانی تعلقات نہایت اعلےٰ خوبی کے ساتھ انجام پاتے رہتے تھے (۲) آریہ قوم ایسے معبودوں کی پرستش کرتی تھی جو نہ تو مقامی معبود تھے اور نہ فرقہ کے معبود۔ بلکہ عالمگیر معبود۔ ذیئوس یعنی آسمان۔ زمین۔ چاند۔ سورج وغیرہ نہ صرف کسی خاص مقام پر نظر آتے تھے بلکہ ہر جگہ۔ لیکن ہر فرقہ ان عالمگیر معبودوں کو مقامی معبود بھی تصور کر لیتا تھا اور اس لحاظ سے اُس کا ایک خاص نام مقرر کیا جاتا تھا اور ہر خاندان میں زمین اور آسمان کا

دیوتا جُدا جُدا تھا۔ آریہ قوم علاوہ ان عالمگیر معبودوں کے چھوٹے معبودوں کی بھی قایل تھی۔ درخت۔ چشمہ۔ دریا۔ غار اور گھاٹی الغرض یہ کہ ہر شے ایک بدروح کا مسکن سمجھی جاتی تھی اور اس بدروح کی ہر خاندان پرستش کرتا تھا۔ وہ جادو کی بھی قائل تھی اور بارش کے لئے جادو یا منتر استعمال کیا جاتا تھا +

آریوں کے مذہب میں خون کے رشتوں کا خیال ضرور کیا جاتا تھا مگر نہ اس قدر جس قدر کہ سیمٹک اقوام میں۔ اُن میں خاندان کا الاؤ یا قربان گاہ عبادت کی جگہ تصور کی جاتی تھی۔ اور جو شخص خاندان سے خارج کر دیا جاتا تھا وہ کسی اور جگہ کے معبودوں کی عبادت میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ خاندانی معبودوں کا بڑا لحاظ اور خیال کیا جاتا تھا۔ مگر جب ہر خاندان اور ہر فرقے میں ترقی ہوئی تو وہ عالمگیر معبود جس کی پرستش ہر خاندان اور ہر فرقے میں کی جاتی تھی اُن کا درجہ اور اُن کا اختیار زیادہ بڑھ گیا +

ابتدا میں آریہ قوم مثل دیگر ناترقی یافتہ اقوام کے اوہام پرستی میں مبتلا تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ ان کو ترک کرتی گئی یہاں تک کہ عالمگیر معبودوں کی قائل ہو گئی۔ جب اُس میں خاندانی عبادت کا طریقہ رائج تھا تو خاندان کا بزرگ ہی کل خاندان کا پوجاری سمجھا جاتا تھا اور وہی مذہبی رسوم کو ادا کرتا تھا۔ اور جب مر جاتا تو اُن مرحوم بزرگوں کی جماعت میں شامل خیال کیا جاتا تھا جن کی عبادت کی جاتی تھی +

آریہ قوم میں جتنے طریقے عبادت کے یا جتنے مذہب پائے جاتے ہیں ان میں مختلف قسم کی قربانیاں اور نذریں ادا کی جاتی تھیں۔ گھوڑے کی قربانی نہایت اچھی قربانی سمجھی جاتی تھی۔ لیکن

انسان کی قربانی سب سے افضل خیال کی جاتی تھی - مگر اس مذموم قربانی کا رواج تھوڑے ہی دن تک رہا - اس کے بعد اس کی جگہ ایک اور قسم کی قربانی کو رواج دیا گیا - آریہ قوم میں اُس کے غیر آریہ اقوام پر فتح پانے سے بہت سے توہمات رائج ہو گئے - اور مفتوح قوم کے دیوتا اور پوجاری آریہ قوم کے دشمن اور جادوگر سمجھے جانے لگے ÷

## ٹیوٹن قوم کا مذہب

جب تک یوروپ میں رومیوں کی تہذیب و شائستگی کا اثر نہیں ہوا تھا اس وقت تک بہت سی یورپین اقوام کی سوسائٹی کی حالت اسی قسم کی رہی جس قسم کی کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکی ہے - اور جو حالت اُن کی سوسائٹی اور تہذیب و شائستگی کی رہی وہی حالت اُن کے مذہب کی بھی - اسلاو - کیلٹ اور ٹیوٹن اقوام کے مذاہب میں مختلف قسم کے اور بے انتہا دستور اور عقاید پائے جاتے ہیں - دریا - چشمہ - پہاڑ اور درخت الغرض سب ہی چیزوں کے متعلق قدیم ترین افسانے اور قصص اور مذہبی دستور موجود تھے آسمان - زمین اور پاتال روحوں سے معمور سمجھے جاتے تھے - اور روایات کی منشا کے مطابق اُن کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا - اُن کو اپنا طرفدار بنایا اور رجھایا جا سکتا تھا - نئے نئے دیوتاؤں کا ظہور ہوتا رہتا اور پرانے دیوتا نئے دیوتاؤں سے مل کر ایک ذات ہو جاتے تھے - ایک معبود اپنے مقام سے دوسرے مقام کو چلا جاتا تھا - مگر جب سوسائٹی کو ترقی ہوئی اور تہذیب نے قدم آگے بڑھایا اور جس کے باعث خاندانوں کے اتحاد سے فرقے اور فرقوں کے اتحاد سے

قومیں بن گئیں تو عقاید میں ترقی ہوئی - آسمان کے معبود جو سب سے بڑے معبود تھے وہ فرقوں کے اتحاد کا مناسب ذریعہ سمجھے گئے - اور مختلف ملکوں میں ان کے مختلف نام رکھے گئے +

اہل جرمنی کے ابتدائی معبود بقول ٹیسیٹس مورخ قومی معبود تھے نہ کہ مقامی اور فرقوں کے معبود - وہ زمین - آسمان - آفتاب ماہتاب اور ستاروں کو معبود خیال کرتے تھے - خانقاہ یا عبادتگاہ درختوں کے ایک کنج میں مقرر کی جاتی تھی - ایک بڑے درخت کے نیچے مذہبی جلسے ہوتے تھے - بعض کنج مقدس سمجھے جاتے تھے جن میں انسان کا قدم نہیں جاسکتا تھا کیونکہ وہ دیوتا کا مسکن خیال کئے جاتے تھے - وہاں حیوانوں اور انسانوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی - درخت کی شاخوں میں قربانیوں کی ہڈیاں جو جنگ میں فتح کی علامت کے طور پر لائی جاتی تھیں لٹکا دی جاتی تھیں - یہ کام پوجاری کرتا تھا جو دیوتا کا قائم مقام خیال کیا جاتا تھا - اور نیز یہ خیال کیا جاتا تھا کہ خود دیوتا فرقے کے ساتھ ساتھ رہتا ہے - پوجاری فال دیکھتے اور پیشین گوئی کرتے تھے - اُن کے پاس مقدس سفید گھوڑے رہتے تھے جن کی ہنہناہٹ معبود کی مرضی کا اظہار خیال کی جاتی تھی - بعض عورتیں بھی پیشین گوئی کرتی تھیں - کسان اپنی نذر لے جا کر کنوئیں میں رہنے والی روح کو چڑھانے کے لئے کنوئیں میں ڈال دیتا یا اس کے اوپر والے درخت میں لٹکا دیتا تھا - گاؤں کے قدیم سورماؤں کے متعلق بعید از قیاس افسانے پائے جاتے تھے - الغرض یہ کہ ابتدائی زمانے کے جرمن عجیب مخلوق - پریوں - جنوں جادوگروں - بالشتیوں - بات کرنے والے حیوانوں نیز روح آفتاب ماہتاب اور ہوا کے قائل تھے - اور اپنے کو ان سے محصور جانتے تھے +

زمانہ مابعد میں ٹیوٹن قوم کا مذہب جیسا کچھ بھی رہا اس کی مثال اہل آئرش لینڈ کے مذہب میں مل سکتی ہے۔ اس ملک کے لوگوں میں خاندانی عبادت کا دستور تھا جس میں مردہ بزرگوں کی عبادت کی جاتی اور ان کو نذریں دی جاتی تھیں۔ اور قربانی کے جانوروں کا خون زمین پر اس خیال سے ڈال دیا جاتا تھا کہ اس سے بزرگوں کی ارواح محظوظ ہوتی تھیں۔ قربانی کے لئے قربان گاہ تعمیر کی جاتی تھی۔ مُردوں کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ کسی دور دراز ملک کو چلے جاتے ہیں اور وہاں اُن کو اُن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے جن کی کہ اس دنیا میں۔ اس خیال سے اُس کے گھوڑے۔ نوکر اور نوکرنیاں۔ کتے اور دیگر جانور جلا دیئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی بی بی بھی آگ میں جل کر مر جاتی تھی۔ مزید براں وہ مقامی معبودوں کے بھی قائل تھے۔ کیونکہ وہ مقدس کنوؤں آبشاروں کنجوں۔ باغوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔ پوجاری قربانی چڑھاتا تھا۔ فصل۔ ظفرمندی اور دیگر بڑے کاموں اور باتوں کے لئے قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ انسان کی قربانی افضل ترین اور معبود کو از حد خوش کرنے والی خیال کی جاتی تھی۔ خون کے ذریعے عہد و پیمان کئے جاتے تھے۔ دو دوست جب کوئی عہد باندھتے تو اپنا اپنا خون بہاتے اور اس پر سے گزر جاتے تھے۔ بحری سفر کی روانگی یا کسی عمارت کی بنیاد ڈالنے کے وقت بھی خون ہی سے عہد کئے جاتے تھے۔

ٹیوٹن قوم کی کتاب ایڈا وہ کتاب ہے جس میں اہل اسکینڈینیویہ وغیرہ کے معبودوں اور علم الاصنام وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں۔ مگر وہ گیارھویں صدی کی تصنیف ہے۔ اُس کے دو حصے ہیں

ایک نظم اور ایک نثر جو صاحب ٹیوٹن قوم کے معبودوں کے مفصل حالات معلوم کرنے کے شایق ہوں وہ اس میں ملاحظ فرما سکتے ہیں۔

ایڈا میں ایک عجیب قصہ درج ہے جسے بالڈر کی وفات کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس موت کا باعث لوکی تھی۔ مگر اس واقعہ سے دیوتاؤں کے کل خاندان پر ایک تباہی آئی جسے دیوتا دور نہ کر سکے۔ جب انہوں نے بالڈر کو پاتال سے نکالنے کے لئے کوشش کی تو وہی بدروح ان کو بھی پاتال میں لے گئی۔ بالڈر کی وفات کے ساتھ ہی دیوتاؤں کی حکومت اور دنیا کا خاتمہ ہوگیا۔ کیونکہ راگن روک دیوتا نے تمام دنیا کو جلاکر خاک سیاہ کر دیا۔ اور دنیا کی کایا پلٹ کر دی۔ اس کے بعد دیوتاؤں کی نرم دل جماعت اس بدلی ہوئی دنیا میں حکمرانی کرنے لگے۔

اس قصے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ٹیوٹن قوم کے مذہب کی یہ خاصیت دین عیسوی سے لی گئی تھی۔ کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود معبود اپنے مرتبے سے گر جانے کا احساس کرتے ہیں۔ یہ کہ وہ اس کے بعد معبود نہ رہیں گے بلکہ ان کو دنیا کے اس قاعدے کو جو ان کے قاعدے سے زیادہ عمیق اور بہتر ہے ماننا پڑیگا۔ گناہ اور کفارہ۔ آخری قیامت ایک نیک معبود کی موت۔ ایک بری روح کی عارضی حکومت اور اس کے زوال کا خیال یہ ساری باتیں بالکل مسیحی دین کی باتیں ہیں۔ گناہ کے خیال کا معبودوں پر اثر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی حکومت ختم ہوتی ہے۔ اور یہ کہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اُن کے جانشین ان سے بہتر ہونگے۔

# یونانیوں کا مذہب

یونانیوں میں خاندانی عبادت کا رواج تھا اور سب سے بڑے دیوتاؤں یا دیوتا کی عبادت کا بھی رواج تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ بڑے دیوتا بہت سی ارواح سے محصور رہتے ہیں۔ اور بد ارواح دیوتا بن جاتی تھیں۔ اور جو موجودات ایزدی ہیں ارواح رہتی تھیں۔ زیئوس سب معبودوں سے برتر اور معبودوں اور انسانوں کا باپ تھا۔ وہ دنیا کا مالک مینہ برسانے والا۔ زمین کو زرخیز کرنے والا۔ زمین و آسمان کا فرمانروا تھا۔ ہر خاندان۔ ہر گاؤں اور ہر شہر میں ایک خاص معبود کی پرستش کی جاتی تھی۔ زیئوس مختلف ناموں سے مقامی دیوتا کی طرح پوجا جاتا تھا۔ اسی طرح ہر خاندان کی دیوی اور دیوتا علیحدہ علیحدہ تھے۔ ہر خاندان کی ایک ہیسٹیا تھی اور ایک اپولو بھی۔ انسان کا ہر کام دیوتاؤں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اسی لئے یونانیوں کے معبودوں کو "کارپرداز معبود" کہا جاتا ہے۔ یونانی ہر قدرتی شے کو ذی روح جانتے اور اُسے کسی روح سے معمور سمجھتے تھے +

یونانیوں کے ایسے دیوتا معبود نہیں کہے جا سکتے کیونکہ اُن کا درجہ معبود سے کم تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اُنہوں نے رنگ بدلا۔ اور ہر روح ایک معبود بن گئی۔ یہاں تک کہ بجائے پوشیدہ روح کے جو کسی شے یا فعل کے پیچھے چھپی رہتی تھی ایک آزاد ہستی کا خیال پیدا ہو گیا جس میں انسان کے سے جذبات اور خواص پائے جاتے ہیں۔ اور جو کسی جماعت کا مربی اور مددگار

خیال کیا جاتا ہے۔ اُس کے وہ خواص جن میں سے نکل کر وہ دوسرے خواص اختیار کرلیتا ہے قائم رہتے ہیں۔ اور کسی نئے معبود کے عروج سے پرانے معبود مقامی بن جاتے ہیں۔ انسان کی روش کی تبدیلی سے معبود کے خواص میں بھی تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح ایک دیوتا جو چوپانوں کا دیوتا ہوتا ہے۔ کسانوں کا معبود بن جاتا ہے۔ الغرض یہ کہ معبود انسانی جذبات وخواص کا مرقع بن جاتا ہے +

اہل یونان پتھروں۔ حیوانوں اور درختوں کی عبادت کرتے تھے۔ ہرمس دیوتا کی قائم مقام پتھر کی پٹیا مانی جاتی تھی۔ جزیرہ کریٹ میں بجائے زیوس دیوتا کا قایم مقام اور اپولو کا قایم مقام چوہا۔ اور پان کا قایم مقام بکری خیال کی جاتی تھی۔ بلوط زیوس کا مقدس درخت مانا جاتا تھا۔ زیتون ایتھنی کی نشانی اور کھجور اپولو کی علامت سمجھی جاتی تھی +

یونانیوں کا مذہب مقامی تھا نہ کہ قومی۔ ہر خاندان اور شہر کا معبود جدا تھا۔ نئے معبود برابر پیدا ہوتے رہتے تھے پرانے معبودوں کے القاب بدلتے رہتے تھے۔ اور وہ آپس میں یا نئے معبودوں کے ساتھ تزمورتیاں اور دوستی قایم کرلیتے تھے۔ ایک جگہ کا معبود دوسری جگہ میں صرف سورما سمجھا جاتا تھا۔ ایک ہی معبود مختلف روایتوں اور مختلف طریقوں میں کئی کئی جگہ کا معبود بن جاتا تھا۔ الغرض یہ کہ یونانیوں کا مذہب قومی مذہب نہ تھا +

یونانی بے جان اور بے سمجھ معبودوں کی جگہ جاندار اور ذی عقل معبودوں کی پرستش کرنے کے شایق تھے۔ اسی لئے

آسمان انسانوں کا باپ بن گیا - اور نیفت (چشمہ کی دیوی) انسان بن گئی - اور رفتہ رفتہ سارے معبود انسان کی شکل میں آ گئے - اور آخرکار دیوتا نہ صرف انسان کے سے جذبات اور مقاصد رکھنے والے بلکہ اُس کی سی صورت و شکل خوبصورتی اور اور نیک مزاجی رکھنے والے خیال کئے جانے لگے - یونانیوں نے بنی انسان کو یہ تعلیم دی کہ انسان کو اپنے سے ادنے درجے کی شے کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہئیے - یونانیوں نے یہ معلوم کرلیا کہ خدا اور انسان ایک ہی خصلت رکھتے ہیں +

یونانی دیوتاؤں کی موجودگی موجودات ایزدی کی حرکت سے معلوم کرتے تھے - مثلاً بجلی کی کڑک بارش کی علامت اور زیوس دیوتا کی نشانی یا شگون سمجھی جاتی تھی +

دیوتا انسان کے پاس پیغام بھی بھیجتے تھے - یونانی خوابوں کے بھی قائل تھے - اور دیوتاؤں کی مرضی خواب کے ذریعے معلوم کی جاتی تھی اور اسی طرح مکاشفے کے ذریعے بھی +

یونانی حیات بعد الموت کے بھی قائل تھے - کیونکہ اُن کے مذہب میں اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ مردوں کو پاتال میں سزا دی جاتی تھی - مثلاً ٹنٹالوس اور اگزئین کی سزا - وہ دوزخ اور بہشت کے بھی معتقد تھے - وہ مذہبی عیدوں اور تہواروں اور کھیلوں اور جشنوں کو مناتے تھے - اُن میں قربانی چڑھائی جاتی تھی جس میں سے معبود اپنا حصہ لے لیتا تھا اور باقی کو عابد کھا جاتے تھے - ان موقعوں پر وہ گاتے بجاتے بھی تھے اور ورزشی کرتب بھی دکھلاتے تھے +

اگرچہ ہومر کے زمانے میں عابد و معبود میں بیا کی تھی لیکن

زمانہ مابعد میں وہ بالکل جاتی رہی۔ اور قربانیاں گناہ کی تلافی کے لئے کی جانے لگیں۔ کیونکہ لوگوں کو گناہ کا احساس ہونے لگا تھا۔ اور مذہب میں روحانیت کی جھلک آگئی۔ اور قربانیوں اور نذروں کے ذریعے معبود سے اتحاد قائم کرنے کا خیال بھی پیدا ہوگیا۔

یونانیوں کو رفتہ رفتہ دیوتاؤں کی ماہیت و نوعیت اور عادت و خصلت اور انسانی روح کی نوعیت و ماہیت وغیرہ کے دریافت کرنے کا خیال پیدا ہوگیا۔ اس لئے اُن کے مذہب میں فلسفے کو بھی دخل ہوگیا۔ اور ان باتوں پر غور کرنے والے لوگ فلسفی کہلانے لگے۔ ان میں سے مشہور لوگوں کے نام سقراط افلاطون اور ارسطو ہیں۔ جنھوں نے ایسی ایسی باتوں کے حل کرنے اور رواج دینے کی کوشش کی۔ جن کے حل کرنے کی کوشش انبیاء اسرائیل نے کی تھی کہ خدا ایک ہے۔ وہ نیک اور ذی عقل ہستی ہے۔ وہ اُن باتوں کا کرنے والا ہے جو دنیا میں ہر دم ہوتی رہتی ہیں۔ یونانیوں نے معبد کی عبادتی تعلیم کی جگہ فلسفی معلموں کی تعلیم میں کوشش کی اور اخلاق کی بنیاد عقلی باتوں پر قائم کی۔ اور نظر انصاف سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتوں کے لحاظ سے یونان کے فلسفیوں کی تعلیم مسیحی دین کی تعلیم کا پیش خیمہ تھی۔ اور یونانیوں کے اس مذہب نے مسیحی دین کے لئے ایک راستہ کھول دیا۔ یونانیوں کا یہ مذہب ایک رنگ بدل کر رومی حکومت کی تعلیم یافتہ جماعت میں اس وقت رائج تھا جب کہ دین عیسوی کا ظہور ہوا۔ ظاہری باتوں اور خدائی مسئلے میں جس میں کہ بعد میں ویسی ہی ترقی ہوئی جیسی کہ

یہودیوں کے مذہب میں ہوئی تھی۔ نیز اخلاقی باتوں اور انسان کی اخلاقی زندگی کے لحاظ سے اُس نے مسیحی دین کے لئے ایک راستہ تیار کر دیا۔ اگرچہ وہ کوئی مذہب نہ تھا کیونکہ اُس میں نہ تو کوئی تاریخی اصلیت وعنصر موجود تھا اور نہ کوئی ایسا عقیدہ اور مذہبی دستور پایا جاتا تھا جو انسان کی رہنمائی اور رہبری کر سکے۔ تاہم بغیر اس کے مسیحی دین ساری دنیا کو فتح نہ کر سکا ہوتا۔

## رومیوں کا مذہب

رومیوں کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ گزرا ہے جس میں خود رومیوں کی یہ رائے تھی کہ اُن کے مذہب اور یونانیوں کے مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ دونوں قوموں کا مذہب ایک ہی ... اور ایک ہی اصل سے۔ دونوں کے معبود اور دونوں کے علم الاصنام ایک ہی ہیں۔ پہلی صدی کے مسیحی مصنفوں کی بھی اس بارے میں یہی رائے تھی۔ مزید برآں کل دنیا کے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ایک ہی مذہب نے دونوں ملکوں میں جا کر خفیف سی تبدیلی اختیار کر لی ہے۔ لیکن دراصل دونوں قوموں کا مذہب ایک ہی نہیں تھا اور نہ ایک ہی اصل سے۔ یہ تو درحقیقت صحیح ہے کہ یونانیوں کے مذہب نے رومیوں کے مذہب ............ پر غلبہ حاصل کیا۔ لیکن ملک اطالیہ میں پہلے ہی سے ایک اور مذہب رائج تھا۔ جو وہاں یونانیوں کے مذہب کے رواج پانے پر بھی بالکل نیست ونابود نہ ہوا۔ بلکہ کسی قدر اور اگر

سچ پوچھو تو زیادہ تر رائج رہا - اگرچہ پالٹیکس میں رومی ساری دنیا سے بڑھے ہوئے تھے - لیکن غور و فکر کرنے میں وہ بچوں کی مانند تھی اس لئے اُنہوں نے مختلف خیالات اور رسوم کو اپنے ہمسائیوں سے لیا - کچھ اِدھر سے اور کچھ اُدھر سے - اور سب کو ملا کر ایک نظام قائم کر لیا اور ایک نئے سانچے میں ڈھال لیا - اگرچہ سانچہ خود اُن کی ایجاد تھا - لیکن جو شے اُس میں ڈھالی گئی وہ دوسروں کی ایجاد تھی +

رومیوں کے اُس مذہب کی اصلیت اور حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے محقق کو ان کی جنتری - اور دیوتاؤں کے ناموں کی فہرست کو جو قدیم مصنفوں کی تصانیف میں پائی جاتی ہے اور نیز قدیم زمانے کے دستوروں اور رسموں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے - اس لئے ہم بھی ان ہی باتوں سے کام لینگے +

رومیوں کے مذہب کی ابتدا کھیتوں اور جنگلوں میں ہوئی - ان کا سال ایسا سال ہے جیسا کہ زراعت پیشہ فرقہ یا جماعت کا ہوتا ہے - اُن کے تہوار فصل بونے - کاٹنے اور غلہ جمع کرنے - انگورستان کی فصل - مویشیوں کے گلوں - جنگل کی روحوں - ملک کی حدوں - دریاؤں اور چشموں - آفتاب اور ماہتاب سے متعلق تبدیلیوں سے تعلق رکھتے ہیں - یہ تہوار خانگی زندگی - خاندانی معاملات کھیتوں کی روحوں - مردوں کی ارواح - اور خاندانی بدارواح کے متعلق ہیں - ان میں جنگی معاملوں اور رباتوں کے متعلق بھی تہوار اور عیدیں پائی جاتی ہیں +

رومیوں کے قدیم معبود بھی اس خیال کے موید ہیں - بڑے معبودوں سے قطع نظر کر کے ہم صرف دو معبودوں کا ذکر کرتے ہیں

ایک سٹیرنس - دوسرا ٹرمینس - سیٹرنس فصل بونے کا دیوتا تھا - اور ٹرمینس حدود کا دیوتا - یہ دونوں معبود معبود کارپرداز تھے - سیٹرنس کے معنی ہیں "تخم ریزی سے تعلق رکھنے والا" - اور ٹرمینس کے معنی ہیں "حدود" - اس سے ظاہر ہے کہ یہ معبود اور وہ کام جس کے وہ کارپرداز ہیں ایک ہی ہیں - اور یہی بات رومیوں کے قریباً تمام دیوتاؤں میں پائی جاتی ہے - کیونکہ ان میں سے ہر دیوتا کا نام یا تو کسی شے کا نام ہے یا کسی عمل یا فعل کا - برعکس اس کے کوئی شے اور کوئی فعل ایسا نہیں جس کا ایک دیوتا نہ ہو - مثلاً سلوانس جنگل کا دیوتا ہے - لمفہ چشمہ کا معبود ہے - ہر چشمہ اور ہر جنگل کا ایک لمفہ اور ایک سلوانس ہے *

معبودوں کی کثرت کے باعث یہ کہا جاتا ہے کہ رومی مذہب کے بڑے پابند اور دلدادہ تھے - اُن کو ہر کام اور ہر بات میں کوئی فوق الفطرت اور مخفی بات نظر آتی تھی - یونانی ہر بات کو اس کے درجے کے لحاظ سے دیکھتے تھے - اور اس کے ساتھ ایک دیوتا کا جو انسانی خواص رکھتا تھا اضافہ کر دیتے تھے - مگر رومی ہر بات کو ایک راز سمجھتے اور اُسے ایک ایسے دیوتا سے جو انسانی خواص نہیں رکھتا منسوب کرتے تھے *

رومیوں کا مذہب انسانی تہذیب کے کس درجے سے تعلق رکھتا ہے - اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ اُس درجے سے تعلق رکھتا ہے - جس میں انسان موجودات ایزدی کو ذی روح سمجھتا ہے اور ہر شے کو ایک روح سے معمور جانتا ہے - جب دیگر آریہ اقوام اس درجے سے ترقی کر کے بڑے بڑے معبودوں کی جو بڑے بڑے ملکوں میں حکمران تھے قائل ہو گئی تھی تو رومی اُن سے پیچھے تھے -

گویا وہ کسی معبود یا معبودوں کے قائل ہی نہ تھے بلکہ ارواح کے قائل تھے - اور یہ ارواح بھی اُن کے خیال کے مطابق ارواح کارپرداز تھیں - مثلاً جینس جو بعد میں رومؔ کے بڑے دیوتاؤں میں سے ایک سمجھا جاتا تھا ابتدا میں "غار کا دیوتا" تھا اس لئے ہر غار کا ایک جینسؔ تھا - اسی طرح ویسٹا الاؤ کی دیوی تھی - اور ہر الاو کی ایک ویسٹا مانی جاتی تھی - جوؔ ٹس جو بعد میں یونانیوں کے زیئوس کا ہم پلہ اور ہم صفت قرار دیا گیا ابتدا میں شراب کا دیوتا تھا گویا ہر خاندان اور ہر گاؤں کی شراب حتیٰ کہ شراب کی ہر دعوت کا ایک علیحدہ جوؔ ٹس تھا اصل بات یہ ہے کہ رومیوں کا ہر معبود ایک خاص شے یا خاص کام کا دیوتا تھا - اس کی حکومت اُس شے یا کام سے پرے نہ تھی - بلکہ اس تک محدود تھی +

چونکہ رومیوں کے معبود کسی مادی شے یا کسی کام سے متعلق تھے اس لئے ان کی مورتیں یا بت بنانے کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی - بلکہ جہاں وہ شے ہوتی یا جہاں وہ کام ہوتا جس سے کوئی دیوتا متعلق تھا وہیں وہ دیوتا موجود اور حاضر سمجھا جاتا تھا۔ ایسے معبودوں کے لئے کسی مندر یا معبد کی بھی ضرورت نہ تھی - اور نہ پوجاریوں کی - کیونکہ جہاں وہ ہوتے تھے وہیں عابد پہنچ جاتا تھا - اور خود ہی اس سے التجا کر لیتا یا اس کو نذر چڑھا دیتا تھا - اسی لئے معبودوں کے متعلق قصص اور افسانوں کی بھی ضرورت نہ پڑی اور اسی وجہ سے رومیوں میں کوئی علم الاصنام نہیں پایا جاتا - رومیوں کے معبود ذات نہیں تھے بلکہ صفات - اگرچہ وہ مذکر و مونث بھی تھے - لیکن وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے تھے - نہ وہ شادی کر سکتے تھے اور نہ جنگ و جدل اور نہ کوئی اور کام

اور نہ اُن سے کسی بڑے شخص یا سورما کو منسوب کیا جا سکتا تھا۔ جہاں ایسے دیوتا ہی نہ تھے جن کو حقیقت میں دیوتا کہنا چاہئے وہاں سورما بھی نہیں ہو سکتے +

رومیوں میں خانگی معبود گھر کے اندر ہی معبود تھے نہ کہ باہر گھر سے باہر بات بات پر ہر رومی کو یہ ضرورت واقع ہوتی تھی کہ کس معبود سے التجا کرے۔ اگر وہ کسی ایسے معبود سے التجا کرتا جس کا اُس کی بات یا ضرورت سے تعلق نہ تھا تو اس کی التجا بیکار جاتی تھی۔ اگر وہ اُس معبود کا نام ٹھیک طور پر لے لیتا تو اُس کو کارآمد بنا لیتا۔ ورنہ نہیں۔ شک کی حالت میں وہ بہت سے دیوتاؤں کا نام لیتا اور اس اُمید میں کہ شاید اس دیوتا کا نام لے سکے جس کی اُسے ضرورت تھی۔ اور پھر اس سے التجا کر سکے۔ بعض اوقات شبہ کی حالت میں وہ تمام دیوتاؤں سے التجا کرتا تھا۔ ہر دیوتا کا ایک خاص لقب اور اس سے التجا کرنے کا ایک خاص طریقہ تھا۔ اگر عابد اُن میں سے ایک کو بھول جاتا تو اس کی عرض بیکار جاتی تھی۔ رومی عبادت نہایت سنجیدگی سے کرتے تھے اور قاعدے کے ساتھ۔ اور اس وقت خاموشی کو مدنظر رکھتے تھے۔ اور عبادت کے وقت چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے۔ اور اس خوف سے کہ دیوتا اُنہیں دکھائی نہ دے جائے۔ اور نیز اس وجہ سے بھی کہ اُن کی عبادت مراقبے سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ خیال پر مبنی تھی +

جب رومیوں نے سوشل معاملات میں ترقی کی تو اُن میں بڑے معبودوں کی عبادت کو رواج ہوا۔ اگرچہ ان میں خانگی دیوتاؤں کی عبادت جاری رہی۔ لیکن ہر فرقے کی عبادت خاندان کی

عبادت سے سبقت لے گئی اور افضل تر ہو گئی۔ اور فرقوں کے اتحاد سے اُن میں عبادت کا درجہ بھی بڑھ گیا اور مذہب میں بھی وسعت آگئی۔ اور جووس دیوتا محافظ مانا جانے لگا۔ اگرچہ اس وقت بھی بہت سے جووس مانے جاتے تھے۔ مگر جوپیٹر (جووس کا دوسرا نام) اس نام کے سارے معبودوں سے برتر تھا*

رومیوں میں یہ خیال تو قدیم زمانے ہی سے چلا آتا تھا کہ معبود علامات کے ذریعے انسان کو آئندہ واقعات کی خبر دیتے رہتے ہیں یہ علامات بادل کی گرج۔ بجلی کی کڑک۔ پرندوں کی پرواز اور دیگر نشانیاں تھیں۔ اور اُن سے کسی آیندہ واقعہ کا مبارک و نامبارک ہونا خیال کیا جاتا تھا۔ ان علامتوں میں سے کچھ تو سیدھی سادی تھیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا تھا۔ مگر دشوار علامتوں کو وہی شخص سمجھ سکتے تھے جو اُن کا علم رکھتے تھے۔ اس لئے کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے ایسے لوگوں کی رائے لی جاتی تھیں۔ اور اُن سے ایسی علامتیں تلاش یا مہیا کرائی جاتی تھیں جو مفید مطلب ہوتی تھیں۔ اس کام کے کرنے والوں کی وقعت اور اثر زیادہ تھا اور ان کا اقتدار دن بدن ترقی کرتا گیا*

رومیوں میں قدیم زمانے میں خاندان کا پوجاری گھر کا بڑا بوڑھا فرقہ کا پوجاری کسی اچھے خاندان کا سرغنہ۔ اور سلطنت کا پوجاری بادشاہ ہوتا تھا اور یہی لوگ نذریں گزرانتے اور مذہبی رسوم ادا کرتے تھے۔ یہی لوگ دیوتاؤں کے گنہگاروں پر سزا کا فتویٰ دیتے تھے اور شگونوں کے ذریعے دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہر مذہبی رسم مثلاً قربانی۔ راگ۔ ناچ شگون۔ شادی۔ موت۔ تدفین وغیرہ کے لئے ایک خاص قسم

کے لوگ مقرر کئے جانے لگے۔ وہ بادشاہ کو دیوتاؤں کی عبادت کے متعلق مشورہ دیتے۔ دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرتے۔ حکام کے فیصلوں کو جائز و ناجائز ٹھیراتے۔ مذہبی رسوم اور قربانیوں کا تعین کرتے۔ اُن کے لئے دن اور وقت مقرر کرتے تھے۔ اور مذہب کے متعلق دیگر باتوں کو انجام دیتے تھے +

پوجاریوں کا منصب موروثی نہیں تھا۔ بلکہ انتخابی۔ جس طرح اور سرکاری منصبوں پر لوگ مامور کئے جاتے تھے۔ سلطنت کی طرف سے اسی طرح اس منصب پر بھی۔ اور مذہب سلطنت کے اغراض و مقاصد کی توسیع کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اور مذہبی رسوم اوا کرنے والے لوگ اُن باتوں کو انجام دینے والے سمجھے جاتے تھے جو انسان اور دیوتاؤں میں سلوک قائم رکھنے کے لئے ضروری خیال کی جاتی تھیں۔ مذہب میں قواعد کو زیادہ دخل تھا۔ نہ کہ جوش و سرگرمی کو۔ رومی دیوتاؤں کی عبادت دل سے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خوف سے اور اس خیال سے کہ دیوتا اُن سے کہیں غفلت کرنے پر ناخوش نہ ہو جائیں۔ اور اُن کو سزا نہ دیں +

رومیوں کے مذہب نے جبکہ اس پر دیگر مذاہب کا اثر پڑا اپنی بہت سی باتوں کو خیرباد کہہ دیا۔ رومی دیگر مذاہب کے معبود کو بھی حقیقی معبود سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اسی لئے جب اُن پر ایک زبردست قوم کا غلبہ ہوا تو جہاں اُن کی دیگر باتوں میں ایک انقلاب پیدا ہوا وہاں مذہب میں بھی +

مذہب کے متعلق یونانیوں سے اہل ایٹروئیہ کی وساطت سے رومیوں نے یہ باتیں سیکھیں۔ قربانی کے جانور کی آنتوں سے شگون لینا۔ دوزخ کا اعتقاد جہاں مردوں پر عذاب کیا جاتا ہے۔

دیوتاؤں کی مجلس کا تقرر۔ مندروں کا بنانا۔ اور رفتہ رفتہ یونانیوں کے سارے معبودوں کی عبادت کو روم میں رواج ہوگیا۔
سب سے پہلے اپولو کی عبادت کو رواج ہوا۔ ۴۹۶ سنہ قبل مسیح میں ڈیمیٹر۔ پروسر پاین اور دیونیسس کی عبادت کو کیریز لیبرا اور لائبیر کے نام سے رواج ہوا۔ ۲۹۱ سنہ قبل مسیح میں ہیراکلس کی عبادت کو رواج ہوا اور اس کا نام ہرکولیز رکھا گیا ۲۰۴ سنہ قبل مسیح میں سیبلی کی عبادت کو رواج ہوا اور علیٰ ہذا۔
اور اس کا انجام یہ ہوا کہ رومی دیوتاؤں میں ایک حرکت کرنے والے۔ اور آزاد معبودوں کا جو انسان کی شکل رکھتے تھے خاصہ پیدا ہوگیا۔ اور عبادت جو پہلے قاعدے کے ساتھ اور سنجیدگی سے ادا کی جاتی تھی وہ نئے دیوتاؤں پر ان باتوں کے ساتھ عاید نہ ہو سکی۔ اور لوگ سلسلہ اور تواتر سے عبادت کرنے سے باز رہے آخرکار بڑے بڑے لوگ مذہب کا خاکہ اڑانے لگے۔ کیونکہ مذہب اور عبادت کی اصلیت معلوم ہو گئی تھی۔

رومیوں کا مذہب امتداد زمانہ کے ہاتھوں بہت سی قوموں کے مذاہب کا مجموعہ بن گیا تھا۔ کیونکہ جن ملکوں کو انھوں نے فتح کیا تھا ان میں وہیں کے مقامی دیوتاؤں کی عبادت کو بغاوت اور امن کے خیال سے جاری رکھا۔ اور اس کا اثر خود رومیوں پر بھی ہوگیا۔

رومیوں کا علم الاصنام اور معبودوں کا حال چونکہ طول طویل ہے اس لئے اسے قلم انداز کر دیا گیا۔ جو صاحب اس کے شائق ہوں وہ رسالہ ترقی کی جلد بابت سال ۱۹۰۴ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

# ہندوستان کے مذاہب

یوں تو ہندوستان میں قدیم زمانے سے لیکر آج تک بہت سے مذاہب کا رواج ہوا۔ لیکن ان سبھوں کا مفصل بیان کرنا خالی از طوالت نہ ہوگا۔ ان میں سے تین خاص مذاہب جو ہندوستان میں قدیم زمانے میں رائج تھے ان کے نام یہ ہیں:۔
**ویدمذہب** ۔ **برہمنوں کا مذہب** اور **بدھ مذہب** *
ان تینوں مذاہب کا بیان نہایت دلچسپ ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک یا چند چند عجیب وغریب باتیں عقاید اور رسمیں پائی جاتی ہیں اور اُن کے مطالعے سے بہت سے ناظرین کی واقفیت میں مزید ترقی ہونے کا یقین کیا جاتا ہے لیکن اُن کا بیان اس موقع پر اس لئے قلم انداز کر دیا گیا کہ اُن کی بنیاد اور عروج وزوال ہندوستان ہی سے وابستہ ہیں۔ اور اُن کے حالات سے تعلیم یافتہ جماعت کے لوگ زیادہ تر واقف ہیں۔ سردست ہم تاریخ مذہب کے مضمون کو اسی جگہ میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اہل فارس کے قدیم مذہب اور مسیحی مذہب کا ذکر کریں گے۔ رہے ہندوستان کے مذکورہ مالامذاہب اُن کو اسی مضمون کے سلسلے میں پیش ناظرین کرتے ہیں ہ

# فارسیوں کا مذہب

فارسیوں یا یوں کہو کہ آتش پرست اقوام کی مذہبی کتاب کو ژند اوستھا کہتے ہیں۔ وہ نمازوں۔ گیتوں اور مذہبی دستوروں کا مجموعہ ہے۔ اُس کے تین حصے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فارسیوں کی مذہبی کتاب ۲۱ کتابوں کا جو مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں لکھی گئی تھیں مجموعہ تھا۔ مگر سکندر اعظم نے اُن کو اپنی فوج کشی کے وقت برباد کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک کتاب باقی رہ گئی اور اُسی کا نام ژند اوستھا ہے*۔

ژند اوستھا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی خاص ایک مذہب کا ذکر نہیں۔ بلکہ کئی قسم کے مذاہب کا۔ کہیں تو واحد خدا کی عبادت کا بیان ہے۔ اور کہیں متعدد معبودوں کی پرستش کا۔ ایران یا فارس میں وقتاً فوقتاً بہت سے مذاہب جاری ہوئے اور ان سبھوں سے وہ مذہب بن گیا جو زوراسٹر کا مذہب کہلاتا ہے۔ زوراسٹر جس کو زرتشت بھی کہتے ہیں سنہ قبل مسیح کے پیدا ہوا تھا۔

قدیم زمانے میں ایران میں اسی قسم کے معبودوں کی عبادت کا رواج تھا جس قسم کے کہ ہندوستان میں مثلاً آسمان کا دیوتا پانی کا دیوتا۔ آفتاب کا دیوتا وغیرہ۔ اور ہندوستان ہی کی سی قربانیوں کا دستور تھا۔

زرتشت کے مذہب میں ثنویہ کی تعلیم بھی ملتی ہے۔ کیونکہ اس میں دو زبردست معبود مانے جاتے ہیں۔ ایک اہورا جو نیکی کا

بادشاہ اور بہشت کا فرمانروا ہے۔ دوسرا بدی کا دیوتا جو دوزخ کا حاکم ہے۔ ان دونوں میں جنگ و جدل رہتی ہے۔ آخر کار بدی کا دیوتا نیکی کے دیوتا سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

ژند اوستھا میں لکھا ہوا ہے کہ جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کی روح کو چنوت پل (پل صراط) پر سے گزرنا پڑتا ہے اگر وہ نیک ہوتی ہے تو پل کو عبور کر کے نیکی کے دیوتا کے ملک میں داخل ہوتی ہے جہاں وہ مسرت کی زندگی بسر کرتی ہے۔ لیکن اگر بد ہوتی ہے تو پل پر سے بدی کے دیوتا کے ملک میں گر پڑتی ہے جہاں اُس پر طرح طرح کے عذاب کئے جاتے ہیں۔ گویا اس مذہب میں حیات بعد الموت کی تعلیم بھی ملتی ہے۔

نیکی کا دیوتا سب دیوتاؤں سے بڑا اور سب دیوتاؤں کا حکمران نہیں ہے۔ بلکہ وہ دو دیوتاؤں میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سے دیوتاؤں کی عبادت کی جاتی ہے اور اس لحاظ سے کہ اُن دیوتاؤں کا انسان کی بہت سی باتوں سے تعلق ہے انسان دونوں بڑے دیوتاؤں میں سے ایک کو جسے وہ چاہے اپنا معبود بنالے۔ مگر اُسے نیکی کے دیوتا کی طرفداری کرنی پڑتی ہے۔ اور اس کو اُس جنگ میں جو نیکی کے دیوتا کے خلاف بدی کے دیوتا اور اس کے پیروکاروں کی طرف سے جاری رہتی ہے حصہ لینا ہوتا ہے۔

زرتشت کی وفات کے بعد اُس کا مذہب ایک روحانی مذہب سمجھا جانے لگا۔ اور اس میں ایک معبود کی جسے ہرمزد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پرستش ہونے لگی۔ اس کی علامت آفتاب ستارے اور سیارے وغیرہ سمجھے جانے لگے۔ مردوں کی ارواح

اور دیگر ارواح کی عبادت کو بھی رواج ہوا۔ یہاں تک کہ خود زرتشت کی عبادت ہونے لگی +

اجورا کی ایک جلوسی جماعت پر بھی لوگ عقیدہ رکھتے تھے۔ اس جماعت میں ۶ شخص تھے اور اُن کے سپرد جدا جدا کام اور خدمات کر دی گئی تھیں۔ جن کے لئے انسان اُن سے استدعا کرتا تھا۔ اسیطرح بدی کے دیوتا نگرا مانیو کے بھی چھ ساتھی تھے۔ مثلاً بیماری۔ بدی زوال وغیرہ +

ایرانی فرشتوں کے بھی قایل تھے۔ چنانچہ سروش غیبی کا نام ان کے لٹریچر میں جابجا ملتا ہے۔ بڑے معبودوں کے بعد اُن کی عبادت کی جاتی ہے۔ خود زرتشت اسی قسم کے معبودوں میں سے ایک مانا جاتا ہے +

قدیم مورخوں کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ایرانی موحد تھے۔ وہ ایک خدا کی عبادت کے قایل تھے نہ کہ بہت سے معبودوں کی پرستش کے۔ چنانچہ ہیروڈوٹس کی تاریخ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ فارس کے حکمرانوں دارا اور ارتخششتا نے بھی یہوواہ کی جو یہودیوں کا معبود تھا عبادت میں خوشی سے حصہ لیا۔ اور اُسے اپنے دیوتا ہرمزد کا مثیل قرار دیا۔ اسی طرح یشعیاہ نبیؑ کی کتاب سے معلوم ہوا کہ اہل بابل نے شاہ سائرس کا اس لئے خوشی سے استقبال کیا تھا کہ وہ ایک معبود کا ماننے والا تھا +

اہل فارس آگ۔ پانی اور آفتاب کو نہایت مقدس قرار دیتے تھے۔ وہ جھوٹ بولنا سخت گناہ سمجھتے تھے۔ اور اسی طرح قرض لینا بھی۔ کیونکہ قرض لینے والے اکثر اور زیادہ تر جھوٹ بولتے ہیں +

اہل فارس کے ہاں پاکیزگی اور ناپاکی کا مسئلہ بھی عجیب ہے۔ وہ یہ ہے کہ ناپاک وہ شے سمجھی جاتی تھی جو بدی کے دیوتا کی طرفداری کرتی تھی یا اس سے متعلق ہوتی تھی۔ یا جس پر اُس کا قابو ہو جاتا تھا۔ مثلاً مُردہ انسان۔ اور ہوا۔ پانی۔ مٹی۔ اور آگ جو پاک چیزیں ہیں ان کا خراب کرنا یا بگاڑنا سب سے بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔ اور نعش جو ایک ناپاک شے سمجھی جاتی تھی اُسے نہ آگ میں جلایا جاتا تھا اور نہ پانی میں ڈبویا جاتا تھا۔ جسم سے جتنی چیزیں خارج ہوتی ہیں وہ بھی ناپاک سمجھی جاتی تھیں۔ اس لئے کسی کو آگ منہ سے پھونکنے کی اجازت نہ تھی +

اہل فارس کے معبودوں کے متعلق کوئی علم الاصنام نہ تھا۔ اور نہ روایات وقصص جیسے کہ یونانیوں اور رومیوں وغیرہ کے معبودوں کے متعلق تھا۔ اسی لئے ان کی عبادت کو کسی دوسرے ملک میں رواج نہ ہوسکا +

# عالمگیر مذہب

## مسیحی دین

تاریخ مذہب کا مضمون یہاں پر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ مضمون مندرجہ عنوان اس طول طویل اور محققانہ مضمون کا آخری حصہ ہے۔ اس میں مسیحی دین کی چند خاص صفات اور خصوصیات ہدیہ ناظرین

افسوس کہ مصنف کتاب اپنی کم علمی سے ایرانیوں کے مذاہ

کی جائیں گی۔ جن سے یہ معلوم ہو سکے گا فی الواقع مسیحی دین عالمگیر مذہب ہے۔ اور جس روشنی میں کہ دیگر مذاہب کے متعلق مضامین لکھے گئے ہیں اسی روشنی میں یہ مذہب بھی لکھا جائیگا +

اسرائیلیوں کے مذہب کے متعلق جو مضمون اسی سلسلے میں لکھا جا چکا ہے اُس سے ناظرین کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ کس طرح انبیا نے قید بابل میں اور اُس سے پہلے بھی خدا اور انسان کے درمیان ایک نئے رشتے کا جس کی بنیاد قربانی یا فدیہ پر نہ تھی اور صرف بنی اسرائیل ہی تک محدود نہ تھا تصور باندھا تھا۔ انبیا نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ خدا ایک ایسے نئے رشتے کے لئے تیاریاں کر رہا ہے جس میں وہ انسان کو پہلے کی نسبت زیادہ دوستانہ ارتباط اور محبت کے ساتھ قبول کرے گا۔ اور انسان کی رہنمائی راہ راست پر نہ صرف عہود و قوانین اور شریعت کے ذریعے ہو گی بلکہ ایک الہام کے وسیلے جو حاضر و ناظر خدا کی طرف سے ہمیشہ ملتا رہے گا۔ اور یہ نیا رشتہ یا مذہب ساری قوموں کے لئے ہو گا۔ اور یروشلم اس کا پایہ تخت بنے گا +

لیکن قید بابل کے بعد اسرائیلیوں کے مذہب کا دائرہ ذرا تنگ ہو گیا اور وہ ایک عالمگیر مذہب کی جگہ ایک خاص قوم کا مذہب بن گیا۔ اگرچہ وہ باطنی طور پر انبیا کی تعلیم سے مالا مال ہو رہا تھا تاہم اُس نے مذہبی عبادت میں قدیمی نیم بت پرستانہ دستوروں کو ترک نہ کیا تھا بلکہ فقط اُن کو نئی شان اور نئے معانی سے ملبس کر دیا تھا۔ اور اس طرح اس مذہب پر فقہ اور مذہبی دستوروں کا ایک پردہ پڑ گیا۔ یہودیوں نے اپنے کو ساری دنیا سے الگ کر لیا اور اپنے غرور میں یہ سمجھنے لگے کہ جو مذہب اُن کو دیا گیا ہے وہ تمام بنی انسان

جو بڑی یا معمولی بات پیش آتی ہے اُسے وہ باپ کی طرف سے اور اپنی بہتری کے لئے سمجھتا ہے۔ اور ہر حال میں وہ اُس کی مرضی کا جویاں رہتا ہے۔ اور ہنسی خوشی سے اُس کے آگے سر جھکاتا ہے اور وفاداری کے ساتھ اُسے پورا کرتا ہے +

اس مذہب میں کوئی مقامی یا اتفاقیہ یا تاریک اجزا نہیں پائے جاتے۔ یہ مذہب پورے انکشاف اور آب وتاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ یہ مذہب انسان کے لئے جو کچھ کہ وہ کر سکتا ہے کرتا ہے۔ خدا اور انسان کے درمیان جو رشتہ پایا جاتا ہے وہ ایک خالص اخلاقی رشتہ ہے۔ وہ رشتہ قومیت یا نسل کا رشتہ نہیں ہے۔ اور نہ اُس میں کوئی اور بات پائی جاتی ہے۔ مگر صرف اخلاقی۔ اور جو شخص کہ اس رشتے کا حال سنتا ہے اُسے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے اور خدا کے درمیان ایک قدرتی ہمدردی کا رشتہ ہے۔ اور وہ اس ہمدردی کے رشتے کو اپنی ذات میں پورا ہونے پر اُکسایا جاتا ہے۔ اس مذہب کے ذریعے انسان خدا کے ساتھ اپنے دل میں محبت اور اتحاد قائم کرتا ہے۔ اور ایک ایسی آزادی سے واقف ہو جاتا ہے جو اس کے دل کے اندر سکونت رکھتی ہے اور جو ساری مصنوعی بندشوں سے بری ہے وہ اپنے دل ہی دل میں مسرت وخوشی کا راز پالیتا ہے۔ اور اُسے کسی قسم کے خوف وخطر اور فکر وتشویش کی پرواہ نہیں رہتی۔ اور اس طرح پر اُس کے قدرتی قوائے کو پوری طرح منکشف ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اُسے صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان ہونے کے وہ کیا ہے اور کیا کیا کر سکتا ہے۔ اور وہ ان باتوں کے کر دکھانے کی جو اُس کے تصور میں نقش ہوتی ہیں اپنے میں ایک ایک نئی طاقت پاتا ہے۔ اس مذہب کی رو سے خدا عالم بالا پر سے

انسان کے پاس آجاتا ہے۔ اور انسان رفعت حاصل کر کے خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ اُس کی زندگی میں ایک الٰہی طاقت تاثیر کر جاتی ہے جو اس کے اندر اور اُس کے واسطے ساری باتیں اور چیزیں پوری کر سکتی ہے۔

جو باتیں ہم بیان کر چکے ہیں اُن کی نسبت یہ رائے قایم کی جا سکتی ہے کہ وہ مذہبی الہام یا مکاشفے کے نتائج ہیں اور یہ عقیدہ یا مذہب کے [illegible] واقعہ [illegible] کرتے ہیں [illegible] حاصل ہیں [illegible] الٰہی تحریک جو انسان تک پہنچتی ہے وہ دوسرے مذاہب کی اسی قسم کی تحریک سے دو خاص باتوں میں مختلف ہے اول یہ کہ مسیحی دین میں جو خدا انسان کے ساتھ میل و اتحاد پیدا کر سکتا ہے وہ حقیقی خدا ہے جو بڑا صاحب اقتدار اور طاقت والا ہے۔ وہ یہوواہ ہے۔ اس کی طاقت کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس طاقت پر قیاس کا کمزور ہاتھ غالب نہیں آ سکتا۔ یہ انسان کا میں خدا کے ساتھ خدا کو مبہم اور قائم بالغیر مان کر یا بنا کر حاصل نہیں کیا جاتا ہے۔ اور نہ اُس کی بے انتہا مہربانی اور معافی اس کی تند مزاجی اور وحشت ناکی کو ٹھنڈا کر کے حاصل کی جاتی ہے۔ مسیحی دین میں خدا ایک ایسی طاقت ہے جسے ہر بات پر جو ہو رہی ہو پورا اختیار اور قابو حاصل ہے۔ اور یہ طاقت اُس بات کو بھی انجام دے سکتی ہے جو بالکل ناممکن معلوم دیتی ہے مسیحیوں کا خدا بالکل مقدس اور متبرک اور عادل ہے۔ اگرچہ وہ نہایت مہربان ہے۔ تاہم اُس کا فتوائے زایل نہیں ہو گیا۔ بلکہ اب تک گنہگاروں اور قوموں پر صادر ہوتا رہتا ہے۔ وہ جسم و روح دونوں کو جہنم میں ڈال سکتا ہے۔ وہ ایسا طاقتور۔ قدرت والا اور سرگرم خدا ہے کہ اب بھی ازل ترین انسان کا رہبر۔ مددگار۔ محافظ اور

مربی بننے کو تیار ہے۔ دوم یہ کہ مسیحی دین میں انسان اور خدا کے درمیان جو رشتہ اتحاد پایا جاتا ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا یہ خدا انسان کو کسی خاص کام کے کرنے یا قربانی گزراننے یا دنیا سے دست بردار ہو جانے کا الہام نہیں دیتا۔ بلکہ اس بات کا کہ وہ اپنے آپ کو جان سکے۔ اور اپنی حقیقت کو معلوم کر سکے۔ انسان کو اس بزرگ [illegible]تہ خدا کی ہمدردی کا یقین ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جس طریقے میں اس کی [illegible] طریقے ہو کہہ سکتا ہے۔ اس عبادت کے لئے کوئی خاص قواعد نہیں مقرر کئے گئے ہیں۔ اس مذہب کی رو سے انسانی زندگی مصنوعی اور ظاہری باتوں کی پابند نہیں کی گئی ہے۔ جیسی کہ بہت سے بڑے بڑے مذاہب میں کر دی گئی ہے۔ اس مذہب کی رو سے کسی خاص پیشہ یا کام کو دوسرے پیشہ یا کام پر کوئی ترجیح نہیں دی گئی ہے۔ یہ مذہب انسان کو کمتر بنانے والا نہیں ہے۔ بلکہ افضل تر۔ چاہے وہ کسی پیشے یا کام کو کرتا ہو مذہبی فرائض عین انسانی فطرت اور قانون قدرت کے مطابق ہیں۔ ہر بیٹے کو صرف یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ باپ کے ساتھ زندہ اور حقیقی اتحاد رکھے۔ دعا روزے اور ہر کام کے واسطے مانگے اور جو بات کہ باپ کرتا ہے اسے کر کے اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت کے رشتے کو زیادہ قوی بنائے۔ اس میں اخلاقی زندگی کی تاکید ہے۔ مگر اس کا تعلق دل سے ہونا چاہئے۔ نیکی کرنی چاہئے۔ مگر اس نیکی کی جڑ دل میں پائی جائے۔ یسوع کوئی قانون ساز نہیں ہے۔ اور نہ کسی شریعت کا بنانے والا۔ جس قانون یا شریعت کو اس نے مقرر کیا ہے وہ وہی قانون یا شریعت ہے جسے انسان خود اپنے سینے اور اپنے دل میں اس وقت

نمایاں اور جلوہ گر پاتا ہے جب کہ وہ ساری مصنوعی باتوں سے مُنہ پھیر لیتا ہے +

مسیحی دین کی روحانیت اور خود مختاری کا ایک خاصہ یا ثبوت یہ ہے کہ اس میں اصول قوانین مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ مسیحؑ نے اپنے آپ کو کسی نئے مذہب کا بانی نہیں سمجھا۔ بلکہ اپنے ہم وطنوں کے مذہب میں ایک خاص بات جاری کرنے والا۔ اسی لئے اس نے نئے مذہبی قوانین نہیں بنائے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ قوانین اس وقت پائے جاتے ہیں اُنہوں نے بعد میں نشوونما پایا ہے۔ اس نے یہ چاہا کہ انسان کا میل خدا کے ساتھ اُسی طرح کا ہونا چاہئے جیسا کہ بیٹے کا باپ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور انسانوں میں باہم کیسا سلوک ہونا چاہئے۔ اس مذہب میں آکر انسان پر سے قیود کا بار اُٹھ جاتا ہے۔ اور وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے +

مسیحی مذہب کی بنیاد کامل محبت پر ہے۔ وہ محبت کا مذہب ہے۔ محبت میں الٰہی سیرت شامل ہے۔ اور جو تحریک اس مذہب میں ہوتی ہے اس کا سرچشمہ محبت کرنا یا محبت کیا جانا ہے۔ صرف محبت کا مذہب انسان کو آزاد کر سکتا ہے۔ وہی اس کے قوتے کو ظاہر و منکشف کر سکتا ہے۔ اور اُسے بڑھا کر اور بلند کر کے بہتر بن زندگی سے روشناس کرا سکتا ہے۔ ایسے مذہب کا ظہور انسان کی تاریخ میں ایک نہایت عظیم الشان اور با وقعت عہد کو بتاتا ہے۔ جس نے اسے رواج دیا اُسے انسان کی عقیدت میں ایسا مرتبہ دینا چاہئے جس کی مثال نہ ملے۔ یہ مذہب کبھی اور کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا +

مسیحؑ نے جس مذہب کی تعلیم کی وہ کسی طرح پر بھی نیا مذہب

نہ تھا۔ اُس میں انبیا سلف کی تعلیم موجود ہے۔ مسیح کے معتقد بہت سے مزامیر کو اپنی زندگی اور تجربات کے مطابق پاتے ہیں۔ مسیح کی زندگی اسرائیلیوں کے مذہب کی پابندی میں گزری۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ وہ اُس مذہب کو اچھی طرح سمجھانے آیا ہے۔ اور نیز اُس پر سے بیجا اور ناواجب زوائد یا قیود کو دور کرنے کے لئے صرف اس کی ذات ضرور نئی تھی۔ اُس نے اپنی تعلیم کو ایک ایسی زندگی سے وابستہ کر دیا جس میں اُس کی تکمیل کامل طور پر ہوتی ہے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اُس کی تعلیم اور اُس کے چال چلن میں تطابق نہ تھا۔ اُس کی زندگی اور اس کا چال چلن اور اُس کی سیرت اُس کے مذہب کی تاثیرات ونتایج کا نمایاں مرقع اور نقش ہیں۔ جو کچھ تعلیم اس نے دی وہ اس میں موجود تھی۔ وہ خود ہی تعلیم تھا۔ وہ خدا کی بادشاہت ہیں جس میں وہ دوسروں کو بلاتا تھا خود رہتا تھا۔ وہ اپنے تجربے سے جانتا تھا کہ خدا کے ساتھ بیٹے کی مانند رہنا کیسا اور کیا ہوتا ہے۔ وہ تمام شخصوں۔ تمام چیزوں اور تمام باتوں اور فرایض کو اسی رشتے کی روشنی میں دیکھتا تھا۔ اس لئے اس کی زندگی اس کے سوائے اور کوئی صورت و پیرایہ اختیار نہ کر سکتی تھی۔ اُس نے کامل صفائی کے ساتھ یہ بات معلوم کر لی کہ انسانوں کو کیسا ہونا یا بننا چاہئے اور جب اس کا تعلق خدا کے ساتھ باپ اور بیٹا کا تعلق ہو تو ان کو آپس میں کس طریقے میں رہنا سہنا چاہئے یہ جان کر اس نے ایسی زندگی بسر کی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس پر سوائے خدا کی بادشاہت کے کسی اَور کا اختیار نہیں ہے۔ پس اُس نے اپنے آپ کو ایک حقیقی مذہب کا مرقع بن کر دنیا کے روبرو پیش کیا۔ اور اُس کی یہ خاصیت مسیحی دین

کی طاقت وزور ہے۔ مسیح نے خدا کا انسان کے ساتھ ایک نئے اتحاد پیدا ہونے کا اعلان کیا۔ اس اتحاد کا اُس نے سب سے پہلے خود مزہ چکھا۔ اور اُس کے ساتھ یا اس میں ہو کر اور لوگ بھی اس اتحاد کا مزہ چکھ سکتے ہیں۔ اس لئے اُس کی ذات اُس کے مذہب کے لئے اس سے زیادہ باوقعت تھی جس قدر کہ کسی دوسرے مذہب کے بانی کی ذات اُس مذہب کے لئے ہو سکتی ہے اور اس طرح وہ لازمی طور پر اُن تمام لوگوں کے لئے جو اُس عہد میں شامل ہوتے ہیں مدعائے ایمان بن گیا۔ مسیحی دین کی تعلیم یا اصول مسیحؑ کی ذات سے علیحدہ ہو کر اپنی تاثیر نہیں دکھا سکتا۔ کیونکہ اُسی کی ذات میں وہ حقیقت ہے جس سے اس کے معتقدوں کو راحت وتسلی ملتی ہے۔ اُس پر ایمان لانے والے اُسے ایک ایسے طریقے میں اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں جس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی +

مسیحی مسیح کو نجات دہندہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا خود اُس نے بھی دعوے کیا ہے۔ مسیح معلم ہی نہ تھا بلکہ اُس سے بھی زیادہ اُس نے اپنے میں ایک ایسی طاقت کو محسوس کیا جو ساری حاجتوں کو پوری کرنے والی اور غموں میں تسلی دینے والی تھی۔ اس نے ایسے لوگوں کو جو غم ورنج اور دکھ درد کے بھاری بوجھ سے لدے ہوئے تھے اپنے پاس بلانے سے یا اُن کو آرام دینے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ وہ مصیبت زدہ لوگوں کے اُن دکھوں کو معلوم کر لیتا تھا جن کو وہ خود معلوم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مصیبت زدوں کو تسکین دینا اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔ وہ ایک حکیم تھا جو مریضوں کو شفا دینے اور کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کرنے آیا تھا۔ اس نے بیماروں۔ مفلسوں۔ حاجتمندوں اور اُن ذلیل لوگوں کے پاس جو سوسائٹی سے خارج سمجھے جاتے تھے جا کر اُن کی

ضرورتوں کو پورا کیا۔ اور اس طرح پر اس کے قول و فعل دونوں میں رحم دلی پائی جاتی ہے۔ رحم دلی کی تعلیم اس نے صاتما گوتم بدھ کی مانند نہیں دی۔ گوتم کا تو کسی آسمانی طاقت پر اعتقاد ہی نہ تھا۔ مگر مسیح نے یہ تعلیم دی کہ رحم دلی خدا کا خاصہ ہے اور اُس کی ذات میں موجود ہے۔ خدا تمام باتیں کر سکتا ہے۔ اور اس نے اپنے فرزندوں پر رحم کرکے اور ترس کھاکر اُن کے پاس اپنے قایم مقام کو اپنی ہمدردی کا یقین دلاتے اور اُن کو دکھوں میں تسلی و راحت بخشنے کے لئے بھیج دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ انسان کے سارے دکھوں اور مصیبتوں کا علاج اُس کے دل میں موجود ہے۔ پس وہ مسیحا کی حیثیت سے اُن کے پاس گیا۔ نہ اُس مسیحا کی حیثیت سے جس کے انتظار میں اس کے ہموطن چشم براہ تھے۔ بلکہ ایک سچے مسیحا کی حیثیت سے جس میں انسان کی ساری ضرورتوں کے پورا کرنے اور ساری اُمیدوں کے برلانے کی قابلیت موجود تھی۔ اس نے سارے دکھوں اور ساری مصیبتوں کا علاج خدا آسمانی باپ کی مرضی کے تابع ہو جانا بتایا۔ جو شخص آسمانی باپ کے ارادوں کو اپنے دل اور اس دنیا میں محسوس کرنے کی تکلیف کو گوارا کرتا ہے۔ وہ تمام فکروں اور غموں سے چھٹکارا پالیتا ہے باپ کی خدمت کو سرگرمی سے بجالانا ان باتوں کا سب سے اچھا علاج ہے۔ جو شخص باپ پر ایمان رکھتا اور اُس کا فرزند بن کر زندگی بسر کرنی چاہتا ہے۔ اُسے کسی قسم کی ناامیدی اور یاس کا سامنا نہ ہوگا۔ اُس کی خدمت میں مصروف رہنا سب سے بڑی مسرت ہے۔ اس کی بادشاہت آرہی ہے۔ اُس بادشاہت میں سے تمام بُرائی اور تاریکی دور ہو جائیگی۔

مسیحی دین کا دیگر مذاہب کے ساتھ اصول سائنس کے مطابق

مقابلہ کرتے وقت ہم نے ان خاص امور کو بیان کیا ہے جو مسیحی دین کا ایک ممیز خاصہ ہے۔ وہ خاص امور یہ ہیں:- مسیحی دین آزادی کا مذہب ہے۔ وہ کوئی ظاہری قانون کا مذہب نہیں بلکہ باطنی قانون یا الہام کا۔ وہ اپنے بانی کی ذات میں مجسم ہے اور اُسی کی ذات میں حقیقی طور پر نظر آسکتا ہے۔ اُس کا بانی ایک ایسا شخص ہے جو انسانوں کا خدا کے ساتھ وہی رشتہ قایم کرانا چاہتا ہے جو رشتہ کہ وہ خود اُس کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ انسانوں کا نجات دہندہ مقرر کرکے بھیجا گیا ✤

مسیحی مذہب عالمگیر مذہب ہے۔ خود مسیحؑ نے تو صاف طور پر یہ نہیں کہا کہ اُس کا مذہب تمام بنی انسان کے لئے ہے اُس نے تو اپنے ہموطنوں کے مذہب میں ایک تجدید کرکے اس میں زیادہ روحانیت پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اُس کے معتقدوں میں سے بعض کا خیال تھا کہ مسیحؑ نے اُس سے کچھ اَور زیادہ کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اُس نے اپنے شاگرد یا معتقدوں کا ایک ایسا حلقہ قایم کیا تھا جو بعد میں مسیحی کلیسا کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ اس کلیسیا کی ممبری کے لئے اُس نے کسی فقہ یا دستور کی قید نہیں لگائی۔ بلکہ برعکس اس کے اُس نے یہودیوں کی روایات سے کنارہ کشی کرکے یہ ظاہر کردیا کہ یہودیوں کی شریعت جو پاکیزگی وطہارت کے بارے میں ہے وہ اس کے شاگردوں پر فرض نہیں ہے۔ جو بادشاہت اس نے قائم کی ہے اس میں کوئی شخص یہودی ہونے کے بغیر بھی شامل ہوسکتا ہے۔ مسیحی مذہب نے ابھی بچپن سے باہر قدم نہ رکھا تھا کہ اس کی تبلیغ شروع ہوگئی۔ جس سے اُس کا سابقہ بت پرست اقوام سے پڑا۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ یہودی ہونے کا انکار کردیں کیا وہ

مسیحی دین میں شریک و شامل ہو سکتے ہیں۔ پولوس رسول نے مسیحی مذہب کے عالمگیر مذہب ہونے کے مسئلے کو حل کیا اور قدرے نزاع کے بعد یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ کلیسیا میں کوئی قومی امتیازات نہیں مانے جا سکتے۔ اور مسیح میں نہ کوئی یہودی ہے اور نہ کوئی یونانی جب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا تو مسیحی دین چند ہی سال کے عرصے میں چاروں طرف کو پھیلنے لگا۔ اور بڑی تیزی کے ساتھ۔ کیونکہ جو خوش خبری اُس میں دی جاتی ہے۔ وہ سیدھی سادی تھی۔ اور اُس میں کوئی تکلیف دہ شرائط نہیں تھیں۔ اور وہ ہر ملک میں جڑ پکڑنے کے قابل ثابت ہوئی۔ مسیحی کلیسیا میں پولوس سب سے پہلا اور بڑا عالم علم الٰہی تھا۔ مگر اُس کی تعلیم تمام امور کے لحاظ سے خود مذہب سے مستنبط نہیں ہو سکتی تھی۔ پولوس نے اُس کے ذریعے مسیحی دین کی باتوں اور خصوصاً مسیح کی موت کو (جو یہودیوں کے لئے ٹھوکر کا باعث تھی) یہودیوں کے خیالات کے ساتھ تطبیق دینے کی کوشش کی تھی۔ اُس نے مسیح کی موت کو ان تمناؤں کے مطابق بنا دیا جن کا نقشہ یہودیوں کے خیال میں کھنچا ہوا تھا۔ اُس نے مسیح کی موت کو بجائے ایک عقدہ لاینحل سمجھنے کے جیسے دوسرے رسولوں نے ابتدا میں سمجھا تھا نجات و بندہ کی رحم دلی اور ترس کا اظہار ثابت کیا۔ اور یہ دکھلا دیا کہ اُس کی اس دنیا میں آنے کی اصلی غرض کیا تھی۔ اُس نے لوگوں کی توجہ کو مسیح کی موت پر جما دیا اور مسیحیت کے مسئلے کی جگہ زیادہ تر صلیب کو اپنی تعلیم کا مرکز قرار دیا۔ جو شخص پولوس کی تعلیم کو سمجھنا چاہے اُسے اُس کے مذہب اور اُس کے علم الٰہی میں فرق کرنا چاہئے۔ مسیح کی مانند پولوس نے بھی مذہب کو باپ اور بیٹے کا رشتۂ اتحاد اور جو نتائج اس رشتے سے پیدا ہوتے ہیں قرار دیا

ف یعنی ۳۰۰ سو برس بعد قسطنطین اعظم نے جب یہ مذہب قبول کر لیا - از روئے سیاست

لیکن خیال کی وہ تحریک جس کی ابتدا تصلیب کے وقت ہوئی تھی مسیحی عقیدہ اور محبت کو نجات دہندہ کی ذات پر جما دینے کا مرکز ہوتا. ان باتوں کی تکمیل پولوس کے زمانے میں ہوگئی تھی - اور پولوس کے وقت سے مسیح مصلوب دردناک صورت اور کچھ اُس سے مستنبط ہوتے یعنی خود انکاری کے ذریعے فتح اور موت کے ذریعے زندگی کا حاصل ہونا مسیحی ایمان کا مرکز رہے ہیں * (افسوس کہ مذہب کی تاریخ [illegible] کی بجائے تعریف [illegible] بھرمار ہو گئی [illegible])

## نتیجہ

اس کتاب میں جتنے مضامین نذر ناظرین کئے گئے ہیں اُن سے اُن کو صاف طور پر معلوم ہوگیا ہوگا کہ ابتدا میں مذہب کیا تھا اور کیسا؟ اُس نے رفتہ رفتہ کیا کیا صورتیں اختیار کیں - اُس میں کیا کیا انقلاب واقع ہوئے - اُس نے کس طرح ترقی کر کے ادنےٰ درجے سے اعلےٰ درجہ حاصل کرلیا اور آخر کار وہ کیا اور کیسا ہوگیا *

مذہب ابتدا میں انسانی حاجتوں کا اظہار قرار دیا گیا - اور انسان اپنی حاجتوں کو کسی ایسی زبردست طاقت یا ہستی کے سامنے پیش کرتا جسے وہ اُن کا پورا کرنے والا سمجھتا تھا اور اس سے اُن کے پورا کرنے کے لئے التجا کرتا - انسانی حاجتوں میں برابر ایک انقلاب واقع ہوتا رہا - اور یہی انقلاب مذہب کی بتدریج ترقی کا باعث ہوا *

سب سے پہلے فرقے کے مذہب کی بنیاد پڑی - وہ انسان کی اُس حالت سے تعلق رکھتا ہے جب کہ کسی فرقے کے سارے توسلے موجودات ایزدی یا دیگر فرقے کے خلاف مصروف رہے - اس سے

کسی فرقے کے اعلےٰ قوے میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ اور مذہب بچوں کی سی خیالی باتوں اور اٹل روایات کا مجموعہ بنا رہا۔ اُن روایات پر کوئی شخص کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں کر سکتا تھا۔ اور معبود ادنےٰ درجے کے اور طامع سمجھے جاتے تھے۔ اور جن طریقوں سے معبود کو پرچایا اور رجھایا جاتا ہے اُن کا عقل یا اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں تھا +

فرقے کا مذہب ترقی کرتے کرتے قومی مذہب بن جاتا ہے۔ اس وقت کسی ایک معبود کو زیادہ تفضیلت و بدیجانی ہے۔ اور وہ قومی معبود ہو جاتا ہے۔ اس کی شان و عظمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اُس وقت مذہبی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ جن کو لوگ رفتہ رفتہ الہامی سمجھنے لگتے ہیں اور اُن کے احکام کو اٹل۔ قربانیاں یا نذریں روحانی رازوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ امام کا عہدہ مقرر کیا جاتا ہے جو مستحکم اور مستقل ہو جاتا ہے۔ اماموں کا فرقہ زور پکڑ جاتا ہے۔ اگرچہ اب بھی مختلف فرقوں کے معبودوں کی عبادت جاری رہتی ہے۔ لیکن قومی مذہب کی ترقی میں وہ کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتی۔ اور قومی مذہب اعلےٰ درجے کی طاقت و اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی ترقی سے لوگوں کی ضرورتوں میں بھی ایک نمایاں ترقی ہو جاتی ہے۔ جنھیں قومی مذہب پورا نہیں کر سکتا +

جب انسان اپنی ضرورتوں کو قومی مذہب سے پورا ہوتا ہوا نہیں پاتا تو وہ زیادہ اخلاقی قوانین کی تلاش کرنے لگتا ہے۔ اور چونکہ عام دستوروں میں اُسے ذاتی نیکی اور اخلاقی باتوں کی تکمیل ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اس لئے کوئی شخص کھڑا ہو کر کسی ایسی اعلیٰ بات کی تعلیم جاری کرتا ہے جو قومی مذہب کے خلاف سمجھی جاتی ہے۔ اور اس جد و جہد یا انقلاب کے باعث یا اس کوشش میں شخصی مذہب

یا فردتیہ کی بنیا د پڑجاتی ہے۔ اور اب تین مذہب پہلو بہ پہلو جاری ہوتے ہیں + فروتیہ سے رفتہ رفتہ ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد پڑتی ہے۔ دنیا میں بہت سے مذاہب میں اس قسم کے انقلاب واقع ہوئے ہیں جو انہیں عالمگیر مذہب بنا سکتے تھے۔ مگر اُن کی رفتار ترقی کسی نہ کسی وجہ سے رک گئی +

کسی فروتیہ کو عالمگیر مذہب بنانے کے لئے جو کوششیں کی جاتی ہیں اُن میں یہ بھی کوشش کی جاتی ہے کہ مذہب کو انسان کے دل میں نقش کر دیا جائے۔ اور معبود کے ساتھ ایک ایسا گہرا اور قوی رشتہ قایم کیا جائے جس کی بنیاد عقل اخلاق اور روحانی ہمدردی اور محبت پر ہو۔ دنیا میں کئی معنوں میں یہ حالت مسیحؑ کے ظہور سے پہلے اور اُس کی موت کے بعد میں بھی پائی جاتی ہے۔ اُس وقت لوگوں کے دلوں میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ کہ انسان کا اخلاقی فرض کیا ہے اور خدا کے ساتھ اس کا تعلق کس قسم کا ہونا چاہئے +

جیسا کہ اکثر مذاہب کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے جب کسی عالمگیر مذہب کا ظہور ہوتا ہے تو انسان یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ حقیقی خدا جس کی انسان کو تلاش ہوتی ہے۔ وہ انسان کے باہر نہیں۔ بلکہ خود اُس کے دل میں پایا جاتا ہے۔ یہ کہ حقیقی خدا تمام انسانوں کے لئے یکساں ہے۔ وہ سب پر یکساں مہربان ہے اور یہ کہ انسان اُس کے فرزند ہیں اور آپس میں بھائی بھائی کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ عالمگیر مذہب کے ظہور کے وقت اور بعد میں اخلاق اعلےٰ درجے پر پہنچ جاتا ہے +

تاریخ مذہب کے مطالعے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر قوم اپنی ضروریات کے لحاظ سے عالمگیر مذہب کو قومی مذہب کی شکل میں

لے آتی ہے۔ اور یہ کہ عالمگیر مذہب کے ظہور کے بعد بھی قومی معبودوں کی عبادت قایم رہتی ہے۔ اور یہ بات کسی خاص ایسے ملک میں نہیں ہوئی جس میں کسی عالمگیر مذہب کا ظہور ہوا۔ بلکہ ایسے تمام ملکوں میں بھی جن میں عالمگیر مذاہب کی بنیاد ڈالی گئی۔ عالمگیر مذہب کے ساتھ قومی مذہب کا رواج خاصکر ایسے لوگوں میں پایا جاتا ہے جو مادی ضرورتوں سے آزاد ہونے کے لئے کوشش میں لگے ہوئے ہیں +

آخری ترقی جس کے ذریعے کوئی عالمگیر مذہب درجۂ تکمیل کو پہنچتا ہے وہ ہے جس میں انسان ضرورتوں اور حاجتوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اُس کے روحانی قوائے ترقی کر جاتے ہیں۔ وہ خدا کی بخششوں کی جگہ خود خدا کی خواہش اور اس سے اپنے دل میں میل قایم کرنے کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ گویا انسان اپنی روح کا خدا کے ساتھ میل قایم کرنے اور اسطرح پر خدا کی محبت کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اس وقت وہ اس چشمہ سے بہرہ ور ہوتا ہے جو ساری طاقت اور ساری سلامتی اور کامل اخلاق کا چشمہ ہوتا ہے +

عالمگیر مذہب کے حاصل کرنے کے لئے انسان نے مختلف کوششیں اور طرح طرح کے جتن کئے۔ مگر بہت سے عالمگیر مذاہب اپنے ظہور کے بعد بھی قریباً نیست و نابود ہو گئے۔ اور بنی انسان نے اُن کو اُن کے اصلی درجے پر لانے کے لئے جان توڑ کوشش کی +

الغرض یہ کہ جب انسان عالمگیر مذہب کے ذریعے خدا کے ساتھ دل میں ہمدردی اور محبت کی بنیاد پر میل قایم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جو مذہب سب سے سیدھا سادہ اور وسیع ہے وہی سب سے اچھا اور سب سے حقیقی ہے۔ اور یہ ساری باتیں مسیحی مذہب میں پائی جاتی ہیں + کیا خوب

ـ اے

نتیجہ اُن کی باتوں کا یہ نکلا
کہ اپنی مدح بھی اپنی زباں سے

22-11-37